لکھنؤ
تعمیرِ حیات
پندرہ روزہ
شعبۂ تعمیر و ترقی دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

جلد نمبر ۱۹ | ۲۵ مئی سنہ ۱۹۸۲ء — یکم شعبان المعظم سنہ ۱۴۰۲ھ | شمارہ نمبر ۱۴

زرِ تعاون
اندرون ملک — بیس روپے
فی پرچہ — ایک روپیہ
بیرون ملک بحری ڈاک جملہ ممالک — ۵ پونڈ
ہوائی ڈاک
ایشیائی ممالک — ۷ پونڈ
افریقی ممالک — ۸ پونڈ
یورپ و امریکہ — ۱۰ پونڈ

اداریہ

محمد رابع ندوی

ملتِ اسلامیہ کو سب سے زیادہ ہوش کی ضرورت

اس وقت ملتِ اسلامیہ کے مقاصد کے نام سے جگہ جگہ کوششیں ہو رہی ہیں۔ جدوجہد اور تحریکیں بھی چل رہی ہیں قربانیاں بھی دی جا رہی ہیں اور اس سلسلہ میں نوجوان عنصر سے بھی بڑی طاقت مل رہی ہے بلکہ اکثر ملی اور قومی تحریکوں اور کوششوں میں وہ پیش پیش ہیں۔ وہ قربانیاں دے رہے ہیں اور مخالف طاقتوں سے لوہا لے رہے ہیں۔ نوجوان عنصر ہر ملت اور قوم کے لئے بڑی طاقت اور بڑا سہارا ہوتا ہے اور اس کے جذبہ و جوش سے مقصد کے حصول میں بڑی مدد ملتی ہے۔ یہ حقیقت جس طرح ماضی میں جانی گئی تھی اس سے کہیں زیادہ حال میں جانی جا رہی ہے اسی لئے ہر جگہ اس طاقت کو اپنانے اور اس سے کام لینے کی کوشش کی جاتی ہے۔ نوجوانوں کو متوجہ کرنے، ان کو قریب کرنے اور ان کو متحرک بنانے کے طریقے اختیار کئے جاتے ہیں اور ان سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے، لیکن یہ جائزہ لینے کی بات ہے کہ نوجوانوں کے جذبات کو یہ متحرک کرنے والے کہاں تک با مقصد ہیں۔ نوجوانوں سے کمیونسٹ تحریک بھی کام لیتی ہے۔ نوجوانوں سے انقلاب پسند طاقتیں بھی مدد لیتی ہیں، نوجوانوں سے باغیانہ عناصر بھی مدد لینے کی کوشش کرتے ہیں اور نوجوانوں سے نیک و اعلیٰ مقاصد رکھنے والے بھی کام لیتے ہیں اور ہر ایک کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ اس سلسلہ میں مسرور کن مثالیں بھی سامنے آتی ہیں اور رنجیدہ مثالیں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ دراصل نوجوان عنصر ایک طاقت ہے، ایک دھارا ہے، صحیح رُخ پر لگے تو راستہ کی چٹان کو پاش پاش کر دے اور مقصد کی راہ میں حائل ہونے والی رکاوٹوں کو بہا لے جائے اور اگر غلط رخ پر لگے تو دشمن کو رد کرنے والی فصیلوں کو توڑ دے اور عظیم قدروں کی بنیادوں کو بھی ہلا دے۔

نوجوانوں کی اس طاقت وصلاحیت کی پوری قدر کی ضرورت ہے اور اس سے کام لینے میں اجتماعی و قومی مصلحت کا خیال رکھنے اور تعمیری جذبہ سے کام لینے کی ضرورت ہے اور یہ کام ملت کی قیادت کا ہے کہ وہ غور کر کے فیصلہ کرے کہ اس کو نوجوانوں کو کس طرف چلانا ہے اور ان کی طاقت سے کیا کام لینا ہے۔

امت اسلامیہ صدیوں سے پسماندگی، انتشار اور بے بضاعتی کی زندگی گزارتے گزارتے پست ہمت ہو چکی ہے۔ اس میں سنجیدگی اور قوت عمل کی خاصی کمی پیدا ہو گئی، اپنی شاندار تاریخ کے مطالعے سے تمناؤں اور توقعات کے اس کے سامنے باغات لگ جاتے ہیں۔ لیکن یہ باغات ماضی کے ہیں حال کے لئے ہم کو خود باغ لگانا ہے۔ ماضی پر تکیہ کر کے بیٹھ رہنا سراب سے امید لگانا ہے۔ دیگر قوموں کی طرح ہماری ملت کو بھی یقیناً نوجوانوں کی طاقت کی بڑی ضرورت ہے اور شاید اس کو آخر الذکر کی ضرورت اول الذکر سے کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ یہ کام قیادت کا ہے کہ ملت کی طاقتوں کو صحیح رُخ پر لگائے اور غلط رُخ پر اس کے لگنے کے بُرے نتائج سے امت کو بچائے۔

موجودہ ملت اسلامیہ کی قیادت اسی ملت سے ابھری ہے چنانچہ اس کو بے عملی اور بے خیالی اسی ملت سے ورثہ میں ملی ہے۔ یہ قیادت جو کہ بے شمار حصوں اور قسموں میں بٹی ہوئی ہے علی العموم اپنا معیار و مقصد مقرر نہیں کر سکی ہے۔ اس کے یہ حصے کچھ تو باہم دست و بگریباں ہیں۔ کچھ بے مقصد جدو جہد میں مبتلا ہیں اور کچھ محض جذبات میں سرشار ہیں۔ اور جو جذبات پسند عناصر ان کے ہاتھ آ گئے ہیں ان کی طاقتوں کو غیر حقیقی کوششوں میں ضائع کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کی قیادت کی تاریخ میں متعدد ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ ان کی قیادت نے وقت کی صحیح ضرورت کو سمجھا اور اخلاص کے ساتھ اس پر محنت کی تو اس کے نتیجے میں ناقابل تصور نتائج حاصل کئے۔ سلطان صلاح الدین ایوبی متعدد مسلم سلطنتوں میں سے صرف ایک محدود سلطنت کے مالک تھے لیکن انھوں نے اپنی قیادت کو اخلاص کے ساتھ صحیح رُخ پر لگایا تو وقت کا سب سے بڑا کارنامہ انجام دیا اور وہ تھا فتح بیت المقدس کا کارنامہ جس کو آج تک سنہرے حرفوں سے لکھا جاتا ہے اور تا قیامت لکھا جاتا رہیگا۔

لیکن ہمارے موجودہ عہد کا ایک بڑا فتنہ ملت اسلامیہ کا انتشار اور بے مقصدیت ہے دوسرا ایک فتنہ ہر کس و ناکس کا شوق قیادت ہے۔ ہماری ملت اسلامیہ میں یہ شوق مرض کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس شوق نے ایک پیشہ کی شکل بھی اختیار کر لی ہے۔ قیادت کے یہ خواہشمند خواہ قیادت کی معمولی صفات وخصوصیات سے بھی عاری ہوں لیکن اس کام کو پورے شوق و جوش سے اپناتے ہیں۔ اس کی وجہ سے امت قیادتوں میں الجھ کر رہ گئی ہے اور اس میدان شوق میں ہمارے نوجوان بھی اپنے ذوق کے بقدر حصہ لیتے رہتے ہیں۔ جو میدان زندگی میں نئے نئے داخل

(بقیہ صفحہ ۹ پر)

اس دائرہ میں اگر سُرخ نشان ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس شمارہ پر آپ کا چندہ ختم ہو چکا ہے لہٰذا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ دین و ادب کا خادم، ندوۃ العلماء کا ترجمان، آپکی خدمت میں پہنچتا رہے تو اس کا سالانہ چندہ مبلغ بیس روپے ارسال فرمایئے۔ اگر اگلے شمارہ کی روانگی سے پہلے آپ کا چندہ یا خط موصول نہ ہوا تو یہ سمجھ کر کہ آپ کو وی۔ پی۔ کے ذریعہ چندہ ادا کرنے میں سہولت ہے۔ اگلا پرچہ مع وی۔ پی خرچ Rs. 24/25 کے مطالبہ میں وی۔ پی سے روانہ ہوگا۔ چندہ یا خط بھیجتے وقت اپنا نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔

کتاب وسنت سے

خاص اوقات کی دُعائیں

مولانا سید عبد الحی حسنی رح

حضرت حذیفہ رض اور ابو ذر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بستر پر تشریف لاتے تھے تو فرماتے باسمک اللّٰھم أحیا و أموت (اے اللہ! میں تیرے نام کے ساتھ جیتا اور مرتا ہوں (یعنی سوتا اور جاگتا ہوں)۔ (بخاری)

حضرت ابن عباس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی سے ہم بستر ہو اور یہ کہے بسم اللّٰہ اللّٰھم جنبنا الشیطان ما رزقتنا فقضی بینھما ولدٌ لم یضرہ۔ (اللہ کے نام کے ساتھ اے اللہ تو بچا اس کو جو کچھ ہمیں دے (یعنی لڑکا یا لڑکی) ہم سے اور شیطان سے تو ایسی اولاد ہوگی جو اس کو نقصان نہ پہنچائے گی (یعنی صالح ہوگی)۔ (متفق علیہ)

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو اٹھتے تو فرماتے، اللّٰھم بک أصبحنا وبک أمسینا وبک نحیی وبک نموت والیک النشور (اے اللہ! تیری ہی قدرت کے ساتھ ہم نے صبح کی اور تیری ہی قدرت سے ہم نے شام گزاری اور تیری ہی قدرت سے ہم زندہ رہتے اور تیری ہی قدرت سے ہم مرتے ہیں، اور مرنے کے بعد تیری ہی طرف پلٹنا ہے (یعنی قبر سے اٹھ کر)۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں تشریف لیجاتے تو فرماتے اللّٰھم انی أعوذ بک من الخبث والخبائث۔ (اے اللہ! میں گندگی اور گندی چیزوں سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ (بخاری)

حضرت ابو امامہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنا دسترخوان اٹھاتے تو فرماتے، الحمد للّٰہ کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ غیر مکفی ولا مودع ولا مستغنی عنہ ربنا۔ (سب تعریفیں اللہ کو زیبا ہیں۔ ایسی تعریف جس کی کوئی حد نہیں، ایسی تعریف جو پاک ہے پیاری وغیرہ سے جو مبارک ہے ایسی حمد جو پوری نہیں ہو سکتی اور نہ چھوڑی جا سکتی ہے اور نہ اس سے استغنا کیا جا سکتا ہے۔

حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا لیتے تو اس کا نام رکھتے (مثلاً) عمامہ، قمیص یا چادر۔ پھر فرماتے: اللّٰھم لک الحمد انت کسوتنیہ أسالک خیرہ وخیر ما صنع لہٗ، واعوذ بک من شرہٖ وشر ما صنع لہٗ (اے اللہ! سب تیرا شکر ہے تونے مجھے کپڑا پہنایا مجھ سے اس کی بھلائی۔ اور جس بھلائی کے لئے یہ بنایا گیا ہے مانگتا ہوں اور اس کی برائی اور جس برائی کے لئے یہ بنایا گیا پناہ چاہتا ہوں۔ (ابوداؤد و ترمذی)

حضرت ام سلمہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب گھر سے باہر نکلتے تو فرماتے بسم اللّٰہ توکلت علی اللّٰہ۔ اللّٰھم انا نعوذ بک من ان نزل أو نضل، أو نظلم او نجھل او یجھل علینا۔ (اللہ کا نام لیکر نکلتا ہوں، میں نے اللہ پر بھروسہ کیا۔ اے اللہ ہم اس بات سے تیری پناہ چاہتے ہیں کہ پھسلیں یا گمراہ ہوں، یا ہم ظلم کریں، یا جہالت کریں یا ہمارے ساتھ جہالت کی جائے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں نکلتے وقت جب اپنے اونٹ پر سوار ہو جاتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے پھر فرماتے سبحان الذی سخر لنا ھٰذا وما کنا لہٗ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون، اللّٰھم انا نسألک فی سفرنا ھٰذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی۔ اللّٰھم ھون علینا سفرنا ھٰذا واطوعنا بعدہ۔ اللّٰھم انت الصاحب فی السفر والخلیفۃ فی الاھل اللّٰھم انی اعوذ بک من وعثاء السفر وکآبۃ المنظر وسوء المنقلب فی المال والاھل۔ اور جب لوٹتے تو یہی الفاظ فرماتے اور ان میں یہ الفاظ بڑھا دیتے، آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔ (پاک ہے وہ ذات جس نے ہمارے لئے یہ مسخر کیا، حالانکہ ہم اس کو تابع کرنے والے نہ تھے اور ہم اپنے رب کی طرف لوٹ جانے والے ہیں۔ اے اللہ ہم تجھ سے اپنے اس سفر میں نیکی اور تقوی اور تیری خوشنودی کے کام چاہتے ہیں۔ اے اللہ! ہم پر یہ سفر آسان کر دے اور اس کا فاصلہ طے کر دے۔ اے اللہ! تو سفر میں رفیق اور گھر والوں میں نائب ہے۔ اے اللہ! میں تیری پناہ سفر کی مشقت اور ناگوار منظر سے اور مال، اہل و اولاد میں بری واپسی سے اور اچھائی کے بعد بُرائی سے مانگتا ہوں)۔ (لوٹنے والے، توبہ کرنے والے، عبادت کرنے والے اپنے رب کی حمد بیان کرنے والے ہیں)۔ (مسلم)

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ ایک شخص نے عرض کیا اللہ کے نبی! میں سفر میں جانا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ نصیحت فرمائیں، آپ نے فرمایا اللہ کا دھیان رکھو، اور ہر اونچی جگہ پر چڑھتے ہوئے اللہ اکبر کہو، جب وہ شخص واپس ہوا تو آپ نے فرمایا، اللّٰھم اطولہٗ البعد وھون علیہ السفر (اے اللہ! اس کے لئے دوری کو سمیٹ دے اور سفر کو اس پر آسان فرما دے۔ (ترمذی)

حضرت ابن عمر رض سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص سفر کرنا چاہتا تو اس سے فرماتے مجھ سے قریب ہو جاؤ میں تم کو اس طرح رخصت کروں جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو رخصت فرمایا کرتے تھے، پھر فرماتے استودع اللّٰہ دینک وأمانتک وخواتیم عملک۔ (اللہ کے سپرد کرتا ہوں تمہارا دین اور تمہاری امانت اور تمہارے انجام کو)۔ (ترمذی)

حضرت ابو ہریرہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو شخص کسی کو پریشانی میں دیکھے پھر یہ کہے الحمد للّٰہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا (اللہ کی حمد ہے جس نے تمہاری مصیبت سے مجھے عافیت، اور اپنی مخلوقات میں بہتوں پر مجھے فضیلت دی) تو وہ اس مصیبت میں نہیں مبتلا ہوگا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہوا دیکھتے تو فرماتے، اللّٰھم انی اسألک من خیرھا وخیر ما فیھا وخیر ما ارسلت بہ واعوذ بک من شرھا وشر ما فیھا وشر ما ارسلت بہ۔ (اے اللہ! میں تجھ سے اس ہوا کی بہتری اور جو اس میں ہے اس کی بہتری چاہتا ہوں، نیز اس چیز کی بہتری جس کے لئے یہ بھیجی گئی ہے، اور تیری امداد اس کی برائی سے اور جو اس کے اندر ہے اس کی بُرائی سے اور جس کام کے لئے یہ بھیجی گئی ہے اس کی بُرائی سے مانگتا ہوں۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بارش دیکھتے تو فرماتے، اللّٰھم صیبًا نافعًا۔ (اے اللہ نفع دینے والی بارش عطا فرما)۔ (متفق علیہ)

حضرت طلحہ بن عبید اللہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب چاند دیکھتے تو فرماتے، اللّٰھم أھلہٗ علینا بالأمن والایمان والسلامۃ والاسلام ربی وربک اللّٰہ۔ (اے اللہ! یہ چاند ہم پر امن و ایمان اور سلامتی اور اسلام کے ساتھ نکال، تو بہتری کا چاند ہے، میرا اور تیرا پروردگار اللہ ہے۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض گھر والوں کی عیادت فرماتے، دایاں ہاتھ پھیرتے اور فرماتے، اللّٰھم رب الناس أذھب البأس واشف انت الشافی لاشفاء إلا شفاءک شفاءً لا یغادر سقمًا (تکلیف دور فرما اے لوگوں کے پالنے والے، اس کو شفا دے تو ہی شفا دینے والا ہے تیری شفا کے سوا کوئی شفا نہیں، ایسی شفا دے کہ کوئی شکایت باقی نہ رہے۔ (متفق علیہ)

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ انھوں نے حضرت ثابت رض سے فرمایا، کیا میں تم کو ان کلمات سے نہ جھاڑوں جس کو پڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھاڑا کرتے تھے، انھوں نے کہا ہاں! تو انھوں نے کہا، اللّٰھم رب الناس مذھب البأس، اشف انت الشافی، لا شافی الا انت شفاء لا یغادر سقمًا۔ (اے لوگوں کے پالنے والے اور تکلیف کو دور کرنے والے اس کو شفا دے تیرے سوا کوئی شفا دینے والا نہیں ایسی شفا دے کہ کوئی شکایت باقی نہ رہے۔ (بخاری)

حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ حضرت جبرئیل ع رسول اللہ صلی اللہ

شیخ محمد بن احمد بن حسن خزرجی (ابوظبی)
ترجمہ: شمس الحق ندوی

اسراء و معراج

معراج ایک اعزاز و شرف ہے جو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلا کر بخشا جو یوں ہی اچانک یا بے مقصد نہیں ہوئی بلکہ معراج و اسراء کا واقعہ زبردست مقصد کے لئے پیش آیا اور اس کے ذریعہ بہت سے حقائق کا مشاہدہ کرایا گیا، معراج کا یہ واقعہ اس وقت پیش آرہا ہے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دل زخموں سے چور، ہر چہار طرف سے انکار و مخالفت، ظلم و ایذا رسانی کی بوچھار ہے، غیر تو غیر اپنے بھی ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں، اپنا وطن پرایا بنا ہوا ہے اہل وطن کھنچے کھنچے ہیں، عداوت و مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتے، سرداران قریش بھی دشمن ہو چکے چچا ابو طالب کا سایہ بھی اٹھ چکا ہے جو آپ کے لئے سہارا تھے آپ کے معین و حامی تھے اور اعلان فرما دیا تھا کہ اے قریش کے لوگو تم جھوٹے ہو ہم محمدؐ کے لئے سینہ سپر رہیں گے۔

آپ کی مونس و غمخوار بیوی حضرت خدیجہ کا بھی انتقال ہو چکا تھا، جو جان و مال ہر اعتبار سے آپ کے لئے سہارا تھیں، یہ دونوں آپ کے لئے بڑی طاقت، محافظ و سہارا تھے، انھیں کے سہارے کچھ عرصہ آپ دعوت کا کام انجام دیتے رہے مگر قریش ایمان نہ لائے، مایوس ہو کر آپ طائف گئے اور بنو ثقیف کے لوگوں کو دعوت اسلام پیش کی، مگر وہاں سے بھی آپ مایوس و دل شکستہ واپس ہوئے اور آپ کے پیچھے جاہلوں اور نادانوں کو لگا دیا گیا، انھوں نے آپ پر پتھر برسائے اور ایذا رسانی کی حد کر دی جب آپ کسی طرح طائف سے باہر آئے اور ایک درخت کے سایے میں بیٹھے تو آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور دعا کی۔

اللھم الیک اشکو ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین أنت رب المستضعفین الی من تکلنی الی بعید یتجھمنی ام الی عدو ملکتہ امری ان لم یکن غضب علیّ فلا اُبالی غیر ان عافیتک اوسع لی، اعوذ بنور وجھک الذی اشرقت لہ الظلمات وصلح علیہ امر الدنیا والآخرۃ من ان ینزل بی غضبک او یحل علیّ سخطک ولک العتبیٰ حتیٰ ترضیٰ ولا حول ولا قوۃ الا بک۔

(الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی، اور لوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں، جس سے سب تاریکیاں روشن ہو جاتی ہیں اور دنیا و دین کے کام اس سے ٹھیک ہو جاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری ناراضمندی مجھ پر وارد ہو مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے)

پھر آپ مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہو گئے جب وادی نخلہ میں پہونچے تو آپ رات گئے نماز میں مشغول ہو گئے۔ اسی حالت میں جنوں کی ایک جماعت آپ کے پاس گزری جن کا اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ذکر فرمایا ہے، یہ جن آپ پر ایمان لائے اور جا کر اپنی قوم میں دعوت کا کام شروع کر دیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ٥ قَالُوْا يٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا كِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وَاِلٰى طَرِيْقٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥ يٰقَوْمَنَآ اَجِيْبُوْا دَاعِيَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ يَغْفِرْ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُجِرْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥" (احقاف ۲۹تا۳۱)

(اور جب ہم نے جنوں میں سے کئی شخص تمہاری طرف متوجہ کئے کہ قرآن سنیں تو جب وہ اس کے پاس آئے تو (آپس میں) کہنے لگے کہ خاموش رہو۔ جب پڑھنا تمام ہوا تو اپنی برادری کے لوگوں میں واپس گئے کہ (ان کو) نصیحت کریں۔ کہنے لگے کہ اے ہماری قوم! ہم نے ایک کتاب سنی ہے جو موسیٰ کے بعد نازل ہوئی ہے جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہوئی ہیں ان کی تصدیق کرتی ہے (اور) سچا دین اور سیدھا راستہ بتاتی ہے۔ اے ہماری قوم خدا کی طرف بلانے والے کی بات قبول کرو اور اس پر ایمان لاؤ۔ (خدا) تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں دکھ دینے والے عذاب سے پناہ میں رکھے گا)۔

آپ کی دعا قبول ہوئی:

جب صبح ہوئی تو حضرت جبرئیل اس پہاڑ کے فرشتے کو ساتھ لیکر آئے ملک الجبال کو اللہ تعالیٰ کا یہ حکم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو فرمائیں وہ کرے، ملک الجبال نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلامی طریقہ پر سلام عرض کرنے کے بعد کہا کہ آپ فرمائیں تو میں اہل مکہ پر ان دونوں پہاڑوں کو ملا دوں۔ (یعنی ان کو اس میں پیس دوں) آپؐ نے جواب میں فرمایا نہیں میں صبر کروں گا شاید اللہ تعالیٰ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا فرمائے جو ہماری دعوت کو قبول کریں، قرآن کریم نے آپ کے اس صبر و تحمل کی تصویر ان الفاظ میں کھینچی ہے،

"لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ٥"

(لوگو!) تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف انھیں گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں (اور) مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں)

آپ نے تکلیف کو برداشت کیا اور منصب دعوت کا حق امانت و اخلاص اور لطف و نرمی کے ساتھ انجام دیا، اور جب قریش نے آپ کو مکہ میں داخلہ سے روکا تو آپ نے یہ پسند فرمایا کہ مطعم بن عدی کی امان میں مکہ مکرمہ میں داخل ہوں۔ بھلا اس حلم و تدبر، اس محبت و رحمت کی بھی کوئی حد ہے کہ وہ شخص جس کو آسمان سے مدد و تائید کا پیغام ہی نہیں فرشتۂ نصرت خدمت میں حاضر حکم کا منتظر ہے وہ مکہ ہی کے ایک شخص کی پناہ و امان میں مکہ میں داخل ہو رہا ہے۔ ہاں جو نبی دنیا کو ظلم و تکبر، بغاوت و جذبۂ انتقام سے پاک کرنے کے لئے آیا تھا اس کی صفات یہی ہیں۔

معراج کا واقعہ آپ کے دائرۂ دعوت کو وسیع کرنے اور دنیائے آسمان میں اس کو قبولیت و قوت بخشنے کے لئے پیش آیا جہاں فرشتوں نے آپ کا استقبال کیا اور اپنے رب سے قرب اکرام اور عزت و شرف کا وہ مرتبہ حاصل ہوا جو آپ سے پہلے کسی کو حاصل ہوا نہ بعد میں حاصل ہوگا۔

آپ حضرت ام ہانی کے گھر میں تھے حضرت جبرئیل علیہ السلام براق لے کر حاضر ہوئے، آپ براق پر سوار ہوئے اور بیت المقدس پہنچے جہاں انبیاء کرام نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کے شایان شان سلام پیش کیا آپ نے تمام انبیاء اور رسولوں کی امامت فرمائی۔ پھر آپ ساتوں آسمانوں پر تشریف لے گئے حتیٰ کہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے جہاں جنت ہے، "عندھا جنۃ الماویٰ" (جس کے پاس جنۃ الماویٰ ہے)۔ جب آپ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو حضرت جبرئیلؑ رک گئے۔ آپؐ نے فرمایا کیا یہاں دوست اپنے دوست کو چھوڑ دے گا؟ حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا ہم میں سے ہر ایک کا مقام متعین ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پردوں کو چاک کرتے ہوئے اوپر چڑھے عرش کے نیچے ستر ہزار پردے تھے اور ہر دو پردوں کے درمیان کی مسافت پانچ سو سال ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"اذ یغشی السدرۃ ما یغشیٰ ما زاغ البصر وما طغیٰ ٥ لقد رأیٰ من آیات ربہ الکبریٰ ٥"

(جب کہ سدرہ کو چھا لیا تھا جس نے چھا لیا تھا، نگاہ نہ جھپکی نہ بہکی اور اس نے اپنے رب کی عظیم الشان نشانیاں دیکھیں)

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو خوبی اور اچھائی کی باتوں کو الہام فرمایا

اور آپ سے سرگوشی کی، اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض فرمایا، امت پر مہربان ہو کر آپ نے اللہ تعالیٰ سے نمازوں کی تخفیف کی سفارش کی اللہ تعالیٰ نے آپ کی سفارش قبول فرمائی اور دن رات میں صرف پانچ نمازوں کو باقی رکھا اور اجر پچاس ہی کا رہا، یہ محض فضل الٰہی تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واقعۂ معراج کو خود بیان فرماتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا میں حجرہ میں سو رہا تھا کہ جبرئیلؑ آئے اور مجھے اپنے قدم سے دبایا، میں اٹھ کر بیٹھ گیا کچھ نظر نہ آیا تو پھر لیٹ گیا، جبرئیلؑ پھر دوبارہ آئے اور مجھے اپنے قدم سے دبایا میں اٹھ گیا لیکن کچھ نظر نہ آیا پھر میں لیٹ گیا۔ تیسری بار پھر آئے اور مجھے اپنے قدم سے دبایا، میں اٹھا تو میرا بازو پکڑ لیا اور مجھے لیکر مسجد کے دروازہ پر آئے تو میں نے دیکھا کہ گدھے سے بڑا اور خچر سے چھوٹا ایک لمبا سفید جانور ہے اس کی رانوں میں دو پر ہیں جن سے اپنے پاؤں کو حرکت دیتا ہے اس کا ہر قدم وہاں پڑتا ہے جہاں نگاہ کی آخری حد ہوتی۔ مجھ کو اس پر سوار کیا اور مجھے لیکر نکلے نہ میں ان سے الگ ہوتا نہ وہ مجھ سے الگ ہوتے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:-

"سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ٥" (سورہ بنی اسرائیل-۱)

(پاک ہے وہ خدا جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجد حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) لے گیا جس کے گرداگرد ہم نے برکت نازل کی ہے، تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے)

ماہ شعبان کی فضیلت و برکت

شعبان المعظم کا مہینہ بڑی خیر و برکت کا مہینہ ہے، ہمیں اس خیر و برکت کے مہینہ سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے اور حتی المقدور اعمال خیر میں کوشاں رہنا چاہیئے۔ ذکر و تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ جب مہینہ ختم ہو تو اس طرح کہ کوتاہی و غفلت کے سوا ہمارے ہاتھ کچھ اور نہ لگے، ایسا کرنے والے شخص نے اپنی عمر کے قیمتی وقت کو ضائع کر دیا وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے جس نے اس مہینہ میں رضائے الٰہی کی خاطر اخلاص و لگن کے ساتھ اعمال خیر کئے۔

شعبان کا مہینہ ذکر و تلاوت کے اہتمام کا مہینہ ہے اس کے بعد رمضان المبارک کا مہینہ شروع ہو جاتا ہے جو عبادت کا موسم بہار ہے۔

شعبان ہی کے مہینہ میں شق القمر کا معجزہ پیش آیا تھا، اس مہینہ کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، عمل صالح بارگاہ ایزدی میں پہنچایا جاتا ہے۔ یہ مہینہ رجب و رمضان مبارک مہینوں کے درمیان پڑتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شعبان میرا مہینہ ہے، اس مہینہ میں بندوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کو پہنچائے جاتے ہیں، اس ماہ میں جو بندہ بھی تین روزے رکھتا ہے اور افطار کے وقت مجھ پر تین مرتبہ درود بھیجتا ہے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں، رزق میں برکت ہوتی ہے، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو جنت کی اونٹنیوں میں سے ایک اونٹنی پر سوار کرے گا اور جب تک جنت میں داخل ہو جائے اونٹنی سے نہ اتریگا۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شعبان سے زیادہ کسی اور مہینہ میں روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ ایک روایت ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے فرمایا آپ پورے شعبان روزہ رکھتے تھے یا شعبان کے چند دنوں کو چھوڑ کر باقی پورا مہینہ روزہ رکھتے تھے۔ (متفق علیہ)

شعبان المعظم کی پندرہویں شب میں موت کا دن متعین اور رزق تقسیم ہوتا ہے اور سارے عالم پر رحمت خداوندی سایہ فگن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "فِيْهَا يُفْرَقُ كُلُّ اَمْرٍ حَكِيْمٍ ٥ اَمْرًا مِّنْ عِنْدِنَا ۭ اِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ ٥ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۭ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ٥ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ۘ اِنْ كُنْتُمْ مُّوْقِنِيْنَ ٥" (دخان ۲تا۷)

(اسی رات میں تمام حکمت کے کام فیصل کئے جاتے ہیں (یعنی) ہمارے یہاں حکم ہو کر، بیشک ہم ہی (پیغمبر کو) بھیجتے ہیں (یہ) پروردگار کی رحمت ہے وہ تو سننے والا جاننے والا ہے، جو کہ آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک ہے بشرطیکہ تم لوگ یقین کرنے والے ہو)۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ جس نے پانچ راتوں کو (ذکر و تلاوت اور نوافل) سے زندہ رکھا جنت اس کے لئے ضروری ہو گئی، یوم ترویہ کی رات، یوم عرفہ کی رات، یوم نحر کی رات، عید الفطر کی رات اور شعبان المعظم کی پندرہویں رات۔

ایسے مبارک مہینہ کی خیر و برکت حاصل کرنے میں سستی و کوتاہی نہ برتنی چاہیئے، محض امیدوں اور آرزوؤں میں الجھ کر نہ رہ جانا چاہیئے۔ ہماری زندگیوں کا انجام موت ہے جتنے دن رات، اعزہ و اقربا کے درمیان گزر رہے ہیں، وہ قبر سے ہم کو قریب کرتے جا رہے ہیں اور ہماری غفلت کا یہ عالم ہے کہ دنیاوی مسائل و منافع میں الجھے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانا چاہتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر اپنا مستقبل اور معیار زندگی بنانا چاہتے ہیں مال و دولت کی آس میں لیل و نہار گزرتے جا رہے ہیں، حلال و حرام کی بھی تمیز باقی نہیں رہ گئی۔

زندگی کی بھلائی اور بہتری تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری میں ہے، آخرت تمہارے لئے دنیا سے بہتر ہے (و ذالک خیر لک من الاولیٰ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ٥ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ۭ قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا ٥"

(اور جو کوئی خدا سے ڈرے گا وہ اس کے لئے (رنج و محن سے) مخلصی کی صورت پیدا کر دے گا اور اس کو ایسی جگہ سے رزق دے گا جہاں سے (وہم و) گمان بھی نہ ہو اور جو خدا پر بھروسا رکھے گا تو وہ اس کو کفایت کرے گا خدا اپنے کام کو (جو وہ کرنا چاہتا ہے) پورا کر دیتا ہے۔ خدا نے ہر چیز کا اندازہ مقرر کر رکھا ہے)۔

اور جانتے بوجھتے ہوئے حقیقت سے انحراف بڑی ستم ظریفی ہے، آخرت کی حقیقتیں سامنے آکر رہیں گی۔ قرآن کا ارشاد ہے:-

"كَلَّا سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ٥ كَلَّا لَوْ تَعْلَمُوْنَ عِلْمَ الْيَقِيْنِ ٥ لَتَرَوُنَّ الْجَحِيْمَ ٥ ثُمَّ لَتَرَوُنَّهَا عَيْنَ الْيَقِيْنِ ٥ ثُمَّ لَتُسْـَٔلُنَّ يَوْمَىِٕذٍ عَنِ النَّعِيْمِ ٥"

(دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا پھر دیکھو تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، دیکھو! اگر تم جانتے (یعنی) علم الیقین (رکھتے تو غفلت نہ کرتے) تم ضرور دوزخ کو دیکھو گے پھر اس کو (ایسا) دیکھو گے (کہ) عین الیقین (آجائے گا) پھر اس روز تم سے (شکر) نعمت کے بارے میں پرسش ہوگی)

جب حقیقت حال یہ ہے تو ہمیں آخرت کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے، کامیاب وہی ہوتا ہے جو فکر و کوشش کرتا ہے، جو آخرت کا فکر مند ہوتا ہے وہ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوتا ہے، جو شخص اعمال خیر کے بابرکت دنوں کا اہتمام کرتا ہے وہ خوف و خطرات سے اپنے آپ کو بچانے کی فکر میں لگا رہتا ہے۔

اطاعت خداوندی جس طرح اچھے عمل کرنے میں ہے اسی طرح سے برے اعمال سے بچنا یہ بھی عین عبادت و اطاعت ہے، ظلم و ستم سے بہت بچنا چاہیئے کہ ظلم قیامت کے دن اندھیرا بن جائے گا کہ راہ چلنا دشوار ہوگا، اپنے ماحول و معاشرہ، کنبہ و خاندان کی صحیح اسلامی تعلیم و تربیت کی فکر کرنی چاہیئے، اور ان کی صحیح رہنمائی کرنی چاہیئے اور ہر آن و ہر لمحہ خدا کا خوف اور پاس و لحاظ کرنا چاہیئے کہ تقویٰ بہترین زاد راہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

"يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ ۡ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِىَ دَارُ الْقَرَارِ ٥" (مومن-۳۹)

(بھائیو! یہ دنیا کی زندگی (چند روزہ) فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے کا گھر ہے)۔

محمود الازہار ندوی

زندہ رکھتی ہے زمانہ کو حرارت تیری

بیت المقدس اسلامی قلمرو میں حضرت عمرؓ کے زمانہ میں اس معاہدہ کے تحت آیا، جسے خلیفۂ وقت نے مقام جابیہ میں عیسائیوں سے کیا تھا، یہ عہدنامہ اس حیثیت سے نہایت اہم ہے کہ خود خلیفۂ اسلام نے ایک مذہبی فرقہ کے مذہبی شہر کے متعلق لکھا تھا کہ مسلمان دوسرے مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ کیسا طرز عمل اختیار کریں، وہ معاہدہ یہ تھا۔

یہ وہ امان ہے جو خدا کے غلام امیرالمومنین عمرؓ نے ایلیا کے لوگوں کو دی، یہ امان ان کی جان، مال، گرجا، صلیب، تندرست، بیمار اور ان کے تمام مذاہب والوں کے لئے ہے کہ نہ ان کے گرجاؤں میں سکونت کی جائے اور نہ ڈھائے جائیں، نہ ان کو یا انکے احاطے کو کوئی نقصان پہونچایا جائے نہ ان کی صلیبوں اور ان کے مال میں کچھ کمی کی جائے، مذہب کے بارے میں ان پر جبر نہ کیا جائے نہ ان میں سے کسی کو نقصان پہونچایا جائے گا، ایلیا میں ان کے ساتھ یہودی نہ رہیں گے، ایلیا والوں پر فرض ہے کہ وہ اور شہروں کی طرح جزیہ دیں اور یونانیوں کو اپنے یہاں سے نکال دیں ان یونانیوں میں سے جو شہر سے نکلے گا اس کی جان اور مال محفوظ ہے جب تک وہ اپنی جائے پناہ پر نہ پہنچ جائے اور ان میں سے جو ایلیا ہی میں سکونت اختیار کرنا چاہے اس کے لئے بھی امن ہے اس کو ایلیا والوں کی طرح جزیہ دینا ہوگا، ایلیا والوں میں سے جو شخص اپنی جان و مال لیکر یونانیوں کے ساتھ نکل جانا چاہے تو وہ بھی اور ان کے گرجے اور صلیب مامون ہیں تاآنکہ وہ اپنی جائے پناہ تک نہ پہنچ جائیں اس تحریر پر خدا، رسول، خلفاء اور مسلمانوں کا ذمہ ہے بشرطیکہ یہ لوگ مقررہ جزیہ ادا کرتے رہیں، اس پر خالد بن ولید، عمرو بن العاص، عبدالرحمٰن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان گواہ ہیں، ۱۵ھ میں یہ معاہدہ لکھا گیا۔

مفتوح قوم کے حقوق تین ہی چیزوں سے متعلق ہوتے ہیں، جان و مال اور مذہب اور اس معاہدہ میں ان تینوں چیزوں کی ضمانت ہے۔

مگر جب صلیبی افواج ۴۹۲ھ میں بیت المقدس میں داخل ہوئیں تو جس وحشت و بربریت اور درندگی کا ثبوت دیا اس پر خود منصف مزاج یورپین مورخین تک نے ملامت کی ہے اور ان صلیبی مجاہدین کے دل کی حالت کا اندازہ اُس خط سے لگایا جاسکتا ہے جسے انھوں نے پوپ کو بطور مژدہ بھیجا:۔

"اگر آپ معلوم کرنا چاہیں کہ جو دشمن وہاں موجود تھے ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تو اس قدر لکھ دینا کافی ہے کہ ہمارے سپاہی حضرت سلیمان کے معبد میں داخل ہوئے تو ان کے گھوڑوں کے گھٹنوں تک مسلمانوں کا خون تھا۔

اس وقت مسلمانوں کی طاقت صلیبیوں کے خلاف منتشر تھی۔ خلافت بغداد کے اندر مقابلہ کرنے کی طاقت نہ تھی متولیان خلافت بغداد (سلاجقہ) خانہ جنگی میں مبتلا تھے، فاطمیین مصر میں کوئی دم خم نہ تھا، اس وجہ سے بیت المقدس ۹۱ سال تک اغیار کے قبضہ میں رہا، کسی میں ہمت نہ تھی کہ وہ اس کی بازیابی کرے اور صلیبیوں کا جواب دے تقریباً ۳۰ سال (۵۲۱ھ) کے بعد موصل کی اتابکیہ حکومت نے جس کی بنیاد ابھی مضبوط نہ ہونے پائی تھی صلیبیوں کے چار اہم صوبوں میں سے تین، انطاکیہ رہا، اور طرابلس کو آزاد کرالیا اور سب سے اہم، حساس اور قابل قدر صوبہ بیت المقدس صلاح الدین کے حصہ میں آیا کیونکہ نورالدین کی زندگی نے وفا نہ کی۔

صلاح الدین نے بیت المقدس پر قبضہ کرتے وقت صلیبیوں سے جو معاہدہ وسلوک کیا تھا وہ تاریخ کے صفحات میں محفوظ ہیں کہ بیت المقدس کے تمام مسیحی مرد، عورت اور بچہ کو جزیہ ادا کردینے کے لئے ۴۰ دن کی مہلت ہے۔ اور جب دولتمند عیسائیوں کی خودغرضی کی وجہ سے غریب عیسائیوں کی ایک بڑی تعداد باقی رہ گئی تو ان کی بیکسی دیکھ کر سلطان کے بھائی الملک العادل نے سلطان سے ایک ہزار عیسائیوں کو بطور غلام لے کر انھیں آزاد کردیا اور جو بوڑھے فدیہ نہیں ادا کرسکتے تھے انھیں اجازت دی کہ وہ جہاں چاہیں چلے جائیں۔

سلطان صلاح الدین ایوبی کے واقعات کو نقل کرنے کے بعد لین پول لکھتا ہے کہ جب ہم سلطان کے ان احسانات پر غور کرتے ہیں تو وہ وحشیانہ حرکتیں یاد آتی ہیں جو صلیبیوں نے فتح بیت المقدس کے وقت کی تھیں، جب گاڈفرے اور ٹنکرڈ یروشلم کے بازار سے گذرے تو وہاں مسلمانوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں اور جاں بلب زخمی رہتے تھے، جبکہ صلیبیوں نے بے گناہ اور لاچار مسلمانوں کو سخت اذیتیں دے کر مارا تھا، اور زندہ آدمیوں کو جلا دیا تھا اور جب قدس کی چھتوں پر مسلمان پناہ لینے چڑھے تھے تو صلیبیوں نے انھیں وہیں تیروں سے چھید کر گرادیا تھا، جہاں اکے اس قتل عام سے مسیحی دنیا کی عزت کو بٹہ لگایا تھا اور مقدس شہر کو انھوں نے ظلم و بدنامی کے رنگ میں رنگا تھا جہاں رحم و محبت کا وعظ مسیح نے سنایا تھا، اور فرمایا تھا کہ خیر و برکت والے ہیں جس وقت یہ عیسائی اس پاک اور مقدس شہر کو مسلمانوں کا خون کرکے مذبح بنارہے تھے اس وقت وہ اس کلام کو بھول گئے تھے اور ان بے رحم عیسائیوں کی خوش قسمتی تھی کہ سلطان صلاح الدین کے ہاتھوں ان پر رحم ہورہا تھا۔

بیت المقدس چار بار اس قسم کے مد و جزر کا شکار ہوچکا ہے اور ہر بار اس کے پاسبانوں نے اپنی صلاحیت و قوت و خودداری کا ثبوت دیا ہے اور صلیبیوں کے کشت و خون و مذہبی تعصب کا جواب رحمدلی اور فراخدلی سے دیا ہے۔ صلاح الدین ایوبی نے ۵۸۳ھ میں صلیبی افواج سے بیت المقدس کو چھینا تو مسجد اقصیٰ میں نورالدین کا بنوایا ہوا منبر جو حلب میں تھا اور صناعی کا بہترین نمونہ تھا منگوا کر مسجد اقصیٰ میں رکھا اور ۴ر شعبان ۵۸۳ھ میں نماز ادا کی، یہ تاریخی منبر مسجد اقصیٰ میں ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کی آتشزدگی میں خاکستر ہوگیا۔ دوسری بار خوارزمی افواج نے ملک صالح نجم الدین ایوب کی قیادت میں ملک کامل کے معاہدہ کے پرخچے اڑا دے اور تیسری بار برطانوی افواج نے پہلی جنگ عظیم کے دوران ۱۹۱۸ء میں فلسطین پر قبضہ کرلیا اور اس وقت مشہور عیسائی جنرل ایلن بی نے فتح و نخوت اور مذہبی تعصب اور عناد جو اس کے دل میں تھا زبان پر لائے بغیر نہ رہ سکا اور صلاح الدین کی قبر جو شام میں ہے اس کے سامنے کھڑے ہوکر کہا الیوم عدنا یا صلاح الدین، اے صلاح الدین آج ہم لوگ واپس آگئے ہیں اور اسی قسم کا جملہ فرانسیسی جنرل گارڈ نے کہا تھا، نحن عدنا یا صلاح الدین۔ اے صلاح الدین ہم واپس آگئے ہیں۔ جنرل ایلن۔ بی، ہی نے فلسطین پر قبضہ کے وقت یہ بھی کہا تھا کہ صلیبی جنگ اختتام پذیر ہوئی، ۱۰۴۸ء سے ۱۹۶۷ء کا طویل سلسلہ مورخین بیت المقدس پر قبضہ کی کوششوں میں شامل کرتے ہیں اور جب ۱۹۶۷ء میں اسرائیلی افواج نے بیت المقدس پر قبضہ کیا تو اسرائیلی وزیر دفاع موشے دایان نے کہا ہم نے قدس پر قبضہ کرلیا ہے اور ہم یثرب کی راہ میں ہیں اور اسرائیلی نوجوانوں نے مسجد اقصیٰ میں مظاہرہ کرتے ہوئے مات محمد، مات محمد۔ محمد کا انتقال ہوگیا۔ محمد کا انتقال ہوگیا کے دلدوز نعرے لگائے۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ جب کسی اسلامی حکومت پر سیاسی زوال طاری ہوا یا مسلمانوں پر نازک وقت آیا تو کوئی نہ کوئی شخصیت اور حکومت معرض وجود میں آئی جس نے مسلمانوں کی گرتی ہوئی ساکھ کو سنبھال لی، ایک زمانہ تک مسلمانوں میں نئی نئی قوتوں کے ابھرنے کا سلسلہ ایسا قائم رہا کہ ایک خاندان کے زوال کے بعد فوراً دوسرا خاندان اس کی جگہ لے لیتا تھا، مشرق میں بنی امیہ کے زوال کی کمی کو عباسیوں نے پورا کیا، جب عباسی خلفاء کمزور ہوگئے تو ترک، بنی بویہ اور ترکان سلاجقہ نے اس کی تلافی کی اور ترکان عثمانی نے تو مشرقی یورپ کو روند کر رکھ دیا۔ سلاجقہ بغداد نے ایک طرف خلافت بغداد کی تولیت کی تو دوسری طرف ایشیائے کوچک کی راہ سے قسطنطنیہ کی فصیل تک پہنچ گئے قیصر ارمانوس کو گرفتار کرلیا شام میں بوریہ حکومت قائم کی، اور ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی حکومت بنی، مگر جب سلجوقیوں کی طاقت کا شیرازہ خانہ جنگی سے منتشر ہوا تو عالم اسلام کو طاقت و توانائی، موصل کی اتابکی حکومت اور مصر کی ایوبی حکومت سے حاصل ہوئی اور انھوں نے بیت المقدس و دیگر اسلامی علاقہ واگذار کرایا۔

مسلمان جب متحد تھے، قیادت صحیح

اور قابل اعتماد تھی تو مسلمانوں نے صلیبی حملوں کا مقابلہ کیا۔ فرانس، جرمنی اور برطانیہ کے ڈیوک اور نائٹوں کو مشرق وسطیٰ کی سرزمین کا خاک بننا پڑا اگر آج ہمارا حال یہ ہے کہ ایک چھوٹا سا ملک ہمارے عزت و ناموس پر قابض ہے قبلۂ اول پر قابض ہے سرزمین معراج کو ناپاک کررہا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے مسجد اقصیٰ میں آگ لگاہے حرم ابراہیمی کو منہدم کررہا ہے، نمازیوں کو گولیوں کا نشانہ بناتا ہے اور جب عالمی رائے عامہ اس کے خلاف احتجاج کرتی ہے تو وہ مجرموں کو مجنوں و پاگل قرار دے کر اظہار برات کرتا ہے۔

بیت المقدس کی بازیابی کی کوششیں اسی وقت مفید اور نتیجہ خیز ہوں گی جب خالد بن ولید جیسی جرأت عمرو بن العاص جیسی حکمت، عبدالرحمٰن بن عوف جیسی فوجی مہارت معاویہ بن ابی سفیان جیسی منصوبہ بند تحریکی صلاحیت، عمادالدین زنگی جیسی قوت عمل اور نورالدین زنگی جیسا جذبہ اور اخلاص اور صلاح الدین ایوبی جیسا عزم و حوصلہ اور قوت ارادی کا پیکر ہو۔ موصل کی اتابکی حکومت سے صلیبی جنگیں نکال دی جائیں تو اس کی کیا حیثیت رہ جائے گی۔ حکومت ایوبیہ مصر سے صلاح الدین کے کارناموں کو الگ کردیا جائے تو تاریخ اس کو کس نظر سے دیکھے گی اتابکیوں نے کس طرح صلیبی طاقت کو توڑا۔ صلاح الدین ایوبی نے کس طرح صلیبیوں کو سرزمین مصر سے دور رکھنے میں کامیابی حاصل کی اور بیت المقدس کی بازیابی کے لئے سردھڑ کی بازی لگادی۔ اس سلسلہ میں انھیں جب اپنوں سے عدم تعاون کا اندیشہ ہوا تو پہلے اس کا خاتمہ ہوا اور اسی اصول پر نورالدین نے دمشق کی بوریہ (سلاجقہ شام) اور صلاح الدین نے ایشیائے کوچک میں سلاجقہ روم کی حکومت کا خاتمہ کیا، موصل کی اتابکی حکومت کی گوشمالی کی، فاطمیین مصر کا خاتمہ کیا۔ ہمیں کچھ کرنا ہے تو سب سے پہلے اپنی طاقتوں کو متحد کرنا ہوگا۔ باہمی اختلاف و انتشار کو دور کرنا ہوگا اور باہمی لڑائی جھگڑا جیسی کمزوری جس سے قرآن کریم نے روکا ہے اور اتحاد و تیاری کا حکم دیا ہے کو ختم کرنا ہوگا۔

"ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم" (انفال - ۴۶)

(مت جھگڑو آپس میں پس سست ہوجاؤگے اور جاتی رہے گی ہوا تمہاری)

"واعدوا لھم ما استطعتم من قوة" (انفال ۶۰)

(اور تیاری کرو واسطے ان کے جو کچھ کرسکو تم قوت سے)۔

"وجاھدوا باموالکم و انفسکم فی سبیل اللہ" (توبہ ۴۱)

(اور اللہ کی راہ میں اپنے مال اور جان سے جہاد کرو)۔

"ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص" (الصف ۴)

(اللہ تعالیٰ تو ان لوگوں کو (خاص طور پر) پسند کرتا ہے جو اس کے راستے میں اس طرح لڑتے ہیں کہ گویا وہ ایک عمارت ہے کہ جس میں سیسہ پلایا گیا ہے)۔

"واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا" (آل عمران ۱۰۳)

(اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نااتفاقی مت کرو)۔

یہ آیات مسلمانوں کو پیغام دیتی ہیں کہ متحد رہیں دشمن کا مقابلہ کریں، آپس میں نہ جھگڑیں، جہاد کی تیاری کریں اور اس راہ میں مال و جان کو قربان کرنے سے دریغ نہ کریں اور ایمانی حمیت و حمایت دینی اور عزم و حوصلہ اور اللہ کی راہ میں مرمٹنے کا جذبہ دکھائیں اور "ایلیا میں یہود نہ رہیں گے" کو حق کر دکھائیں جنرل ایلن۔ بی اور جنرل گارڈ کے عناد اور بغض کو ہمیشہ کے لئے ختم کردیں اور مقدسات اسلامیہ کی بازیابی میں لگ جائیں۔

اٹھ کہ خورشید کا سامان سفر تازہ کریں
نفس سوختہ شام و سحر تازہ کریں

نگران اعلیٰ:
مولانا ابوالعرفان ندوی
مجلس ادارت:
شمس الحق ندوی
محمود الازہار ندوی
پرنٹر، پبلشر جمیل احمد ندوی نے کینس اینڈ کمپنیز پرس پرائیوٹ لمیٹڈ، ۲۹- نول کشور روڈ، لکھنؤ میں طبع کراکے دفتر "تعمیر حیات" شعبۂ تعمیر و ترقی دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے لئے شائع کیا۔

افغانی مجاہدین کے متعلق ایرانی موقف

ترجمہ: حشمت اللہ ندوی

انسانیت کے بدترین دشمن روس نے جسے مادہ پرست ایک بڑی طاقت سمجھتے ہیں مسلمانوں کی سرزمین افغانستان پر اس وقت حملہ کیا جب ایران نے اسلامی انقلاب کی صدا بلند کی اور امریکا کے خلاف جنگ کا اعلان کیا۔ ایران کو اس وقت ان افغانی پناہ گزینوں کے ساتھ انسانی ہمدردی کا ثبوت دینا چاہئے تھا جنھوں نے عصر حاضر کے سب سے بڑے طاغوت سے پنجہ آزمائی کرکے بے مثال شجاعت اور جوانمردی کا ثبوت دیا ہے۔ ایران کو چاہئے تھا کہ ان مجاہدین کے ساتھ صف آرا ہوکر روس سے بھی اسی طرح جنگ کرے جس طرح امریکا سے اس نے جنگ کی، اس لئے کہ اسلامی اخوت و ہمدردی کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی کی مدد کرے، لیکن افسوس کہ اسلامی انقلاب کی یہ سرزمین افغانی مجاہدین کے لئے سہارا نہ بن سکی۔ اس نے ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو کوئی دشمن اپنے دشمن کے ساتھ کرتا ہے۔ پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد کو اس نے دشمن کے حوالہ کردیا دوسری معتدبہ تعداد کو یا تو قیدخانہ کی کال کوٹھریوں میں ڈال دیا یا اسمگلنگ اور افیون وغیرہ کے استعمال کے جرم میں پھانسی دے دی۔

اس کے باوجود ہمارے مجاہد بھائی ایرانی حکام کے لئے مخلص رہے۔ وہ یہ سمجھتے رہے کہ حکومت دشمن عناصر اسلامی انقلاب کو بدنام کرنے کے لئے ان کے ساتھ ایسا سلوک کررہے ہیں، لیکن ایران جو ہمیشہ اپنی مظلومیت کا دم بھرتا ہے اور بظاہر روس سے افغانستان کے تخلیہ کا بھی مطالبہ کرتا ہے شام کی حکومت کے ساتھ اپنے روابط بڑھا رہا ہے۔ اس نے اسد حکومت سے دوستی کرکے اخوانی مجاہدین کو شکست دینے کی کوشش کی ہے۔ وہ برابر ہمارے دشمن کی حمایت کررہا ہے۔ افغانی مجاہدین سے اس کی عداوت میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے۔ وہ ہم سے سنی اور شیعہ کے نام پر جنگ کرنا چاہتا ہے۔ کرد اہل سنت والجماعت سے اس کی دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں ہے۔ سنی مسلمانوں کی تذلیل ایرانی شیعوں کے نزدیک مقدس اسلامی جہاد ہے۔ انقلاب کے ترجمان رسالہ "الشہید" نے افغانستان کا ایک نقشہ شائع کیا ہے جس میں اس نے ہزارستان کے نام سے شیعوں کے اہم مقامات کی نشاندہی کی ہے، حالانکہ ان مقامات میں ہزارہ جات یا شیعوں کی کوئی آبادی نہیں ہے، بے حیائی کی بھی انتہا ہوگئی۔

ایران کے مذہبی لیڈر اور اسلامی انقلاب کے قائد اعظم امام خمینی ایک طرف اپنی کتاب "کشف الاسرار" میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی شخصیت کو مجروح کرتے ہیں اور دوسری طرف اسلامی انقلاب کی صدا بلند کرتے ہیں ایک طرف تو وہ لاشرقیہ ولاغربیہ کہتے ہیں اور دوسری طرف افغانی پناہ گزینوں کو روسیوں کے حوالہ کرکے اپنے آپ کو بے نقاب کرتے ہیں۔!!

علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا اے محمدؐ! کیا آپ بیمار ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! تو حضرت جبرئیلؑ نے کہا، بسم اللہ ارقیک من کل شیئ یوذیک من شر کل نفس او عین حاسد اللہ یشفیک بسم اللہ ارقیک (اللہ کے نام سے آپ کو جھاڑتا ہوں ہر ایسی چیز سے جو آپ کو تکلیف دے ہر نفس کے شر سے یا حسد کرنے والی آنکھ سے، اللہ آپ کو شفا دے اللہ کے نام سے آپ کو جھاڑتا ہوں۔ (مسلم)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور عرض کیا اللہ کے رسولؐ گذشتہ رات مجھے بچھو نے ڈنک ماردیا بہت تکلیف ہوئی، آپ نے فرمایا، اگر تم نے شام کے وقت یہ الفاظ کہہ لئے ہوتے اعوذ بکلمات اللہ التامات من شر ما خلق (اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا کی ہیں ان کے شر سے بچنے کے لئے پناہ چاہتا ہوں اللہ کے بے نقص کلمات کے ذریعہ)

حضرت عبداللہ بن خبیبؓ سے روایت ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صبح شام قل ھو اللہ احد اور معوذتین (یعنی سورۂ فلق اور سورۂ الناس) تین مرتبہ پڑھ لیا کرو، ہر چیز سے حفاظت رہے گی۔ (ابوداؤد و ترمذی)

ندوہ کے شب و روز

فارغ ہونے والے طلباء کو الوداعیہ

دار العلوم میں تعلیمی سال کے اختتام پر سند فراغت حاصل کرنے والے اور مادر علمی سے جدا ہونے والے طلبہ کو ایک الوداعیہ دیا جاتا ہے جس کا انتظام طلبہ فضیلت اول و تخصص اول کرتے ہیں۔ یہ الوداعیہ اپنے اندر بہت ہی مفید اور صالح پہلو رکھتا ہے۔ یہ طلبہ کے اپنے تأثرات، دلی جذبات، ندوۃ العلماء کے امتیازات، اس کی بلندی، فکر اور یہاں کے اساتذۂ کرام کی مساعی جمیلہ اور اخلاص اور یہاں کے تعلیمی ماحول کی حسین عکاسی اور بہترین تصویر ہوتا ہے۔ یہ وقت بڑا ہی رقت انگیز اور رنج و غم اور خوشی و مسرت کے ملے جلے نازک جذبات سے لبریز ہوتا ہے جس میں اگر جدا ہونے والے طلبہ کو ایک طرف ادارہ سے، یہاں کے مخلص اساتذہ سے، یہاں کے تعلیمی ماحول سے اور یہاں کے بیتے ہوئے ایام سے جدائی کا غم ہوتا ہے تو دوسری یک گونہ مسرت و شادمانی بھی حاصل ہوتی ہے کہ انھوں نے ایک منزل طے کرلی ہے جو اگرچہ آخری منزل نہیں مگر منزل مقصود تک پہنچنے کا ایک قابل قدر اور اہم زینہ ضرور ہے۔

امسال بھی طلبہ فضیلت اول و تخصص اول نے اس اچھی روایت کو برقرار رکھا اور کوشش کی کہ اسے محض ایک رسم اور پرانی روایت کے طور پر ہی نہ منایا جائے بلکہ یہ جلسہ بعض حیثیتوں سے انفرادیت کا حامل ہو جو صرف آنسو بہانے اور رنج و غم کے اظہار ہی تک محدود نہ ہو بلکہ اس میں ایک طرف اپنے جدا ہونے والے ساتھیوں سے ان کے تجربات و تأثرات کی روشنی میں استفادہ کیا جائے دوسری طرف انھیں رخصت کرتے وقت ان کو ان کا پیغام یاد دلایا جائے۔

یہ الوداعی جلسہ ۸ رجب بروز دوشنبہ طلبہ دار العلوم کی انجمن جمعیۃ الاصلاح کے "جمالیہ ہال" میں منعقد ہوا۔ جلسہ اپنے وقت پر ٹھیک گیارہ بجے شروع ہو گیا۔ صدارت حضرۃ الاستاذ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صدر شعبۂ ادب عربی نے فرمائی، اور مہمان خصوصی کی حیثیت سے استاذ الاساتذہ جناب ماسٹر عبد السمیع صاحب صدیقی نے شرکت فرمائی۔ جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا۔ تلاوت فضیلت اول کے طالب علم عبد الباری بھٹکلی نے کی۔ اناؤنسنگ کے فرائض فضیلت اول ہی کے طالب علم اسحاق حسینی نے انجام دئے۔

تلاوت قرآن کے بعد ترانۂ ندوہ پیش کیا گیا۔ ترانہ کے بعد فضیلت اول و تخصص اول کی نمائندگی کرتے ہوئے اسحاق حسینی نے خطبۂ الوداعیہ پڑھا، جس میں ندوۃ العلماء کی دعوت، اس کے پیغام، اس کے بانیوں کی تمناؤں اور امیدوں اور اس کے موجودہ سربراہ حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی کی آرزوؤں اور توقعات کے ساتھ سندی درجات کے رخصت ہونے والے ساتھیوں کو نذرانۂ عقیدت بھی پیش کیا۔

خطبۂ الوداعیہ کے بعد رخصت ہونے والے . . . ساتھیوں نے اپنے تأثرات پیش کئے جن میں انھوں نے ندوہ اور یہاں کے مخلص اساتذہ سے اپنی جدائی، اپنی ندوی زندگی کے تجربات و مشاہدات، یہاں کے علمی و فکری امتیازات اور مستقبل کے عزائم و ارادوں اور اپنے قلبی جذبات کا پرنم آنکھوں اور دھڑکتے مغموم دلوں کے ساتھ اظہار کیا، جس میں اپنے مشفق و محترم اساتذہ کی خدمات، ان کی شفقت و محبت، خلوص اور احسانات کا اعتراف کیا اور اپنے مابعد آنے والے ساتھیوں کو بھی اپنے تجربات کی روشنی میں نصیحتوں سے نوازا۔

رخصت ہونے والے طلبہ کے تأثرات کے بعد صدر جلسہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے صدارتی تقریر کی جس میں آپ نے بہت سی بیش بہا نصیحتوں سے نوازا۔

آپ نے فرمایا: ۔

الحمد للہ الذی کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد!

حضرات اساتذۂ کرام و عزیز طلبہ!

یہ جلسہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی ایک اچھی رسم کے طور پر منعقد ہو رہا ہے اور یہ رسم متعدد مفید پہلو رکھتی ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ سب اداروں میں ایسا نہیں ہوتا ہوگا لیکن جہاں بھی ہوتا ہے اس سے کچھ نہ کچھ مفید نتائج سامنے آتے ہیں۔ یہ جلسہ دو پہلو رکھتا ہے ایک تو ان لوگوں کا پہلو ہے جو اس سال فارغ ہونے والوں کو رخصت کر رہے ہیں اور ایک پہلو ان لوگوں کا ہے جو اس سال فارغ ہو کر اس ادارہ سے رخصت ہونے والے ہیں، دونوں پہلوؤں سے مسئلہ خاصا جذباتی اور قلبی تأثر کا ہے ــــ رخصت کرنے والے جب اپنے ساتھیوں کو رخصت کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں عجیب قسم کے جذبات ہوتے ہیں اور رخصت ہونے والے بھی بہت گہرے جذبات لے کر رخصت ہوتے ہیں۔

میرے عزیز بھائیو! ان میں سے جو حضرات رخصت ہو رہے ہیں ان سے تو میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ کچھ ہی دن میں اس طبقہ میں شامل ہو جانے والے ہیں جس طبقہ میں ہم لوگوں کا شمار ہوتا ہے اور اسی طور پر ہم سے ان کا فاصلہ بہت کم رہ گیا ہے، اساتذہ اور جو مدرسہ کے ذمہ دار ہوتے ہیں تعلیمی لحاظ سے یا انتظامی لحاظ سے ان کے جو فرائض اور جو ان کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں یا جو ان کی مشکلات ہوتی ہیں ان سے آپ شاید جلد ہی واقف ہوں گے۔

عزیزو! دار العلوم ندوۃ العلماء کے متعدد امتیازات ہیں جو آپ ہم سے کم نہیں جانتے، آپ خوب واقف ہیں، ان امتیازات میں ہماری جمعیۃ الاصلاح بھی ہے اور ان امتیازات میں ہماری وہ مجالس ہیں جن سے زبان و علم کی تربیت کی جاتی ہے اور آپ کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ ہمیں کس طرح کام کرنا ہے . . . اور کس طرح بات کرنی ہے، بات کرنے کی بھی بڑی اہمیت ہوتی ہے، اگر آپ اچھے سے اچھا علم رکھتے ہوں اور اس کو آپ صحیح طور پر پیش نہ کر سکیں یا واضح نہ کر سکیں تو وہ علم خواہ آپ کے پاس کتنا ہی ہو دوسرے کو پتہ نہیں چل سکتا اور دوسرے کو آپ فائدہ نہیں پہونچا سکتے، اس لئے زبان کی بھی بڑی اہمیت ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء میں اسی لئے زبان کی تربیت کے لئے باقاعدہ انتظام کیا گیا ہے چاہے وہ 'الاصلاح' کی شکل میں ہو خواہ وہ "النادی العربی" کی شکل میں ہو۔ الاصلاح کی بڑی کوشش دراصل علم و زبان کی تربیت پر صرف ہوتی ہے۔ آپ کا یہ کتب خانہ جو بعض حیثیتوں سے بڑا قیمتی ہے اس میں آپ لوگوں کی ضرورت اور آپ لوگوں کے مقاصد کے مطابق کتابوں کو جمع کیا گیا ہے، لہٰذا اگر اس کتب خانہ سے فائدہ اٹھایا جائے تو آدمی بہت کچھ سیکھ سکتا ہے اور اپنے ان مقاصد کے قریب ہو سکتا ہے جن مقاصد کے حصول کے لئے وہ کوشاں ہیں اسی طرح النادی العربی آپ کی عربی زبان اور ادب کے سلسلہ میں بڑی خدمت انجام دیتی ہے یہ وہ چیزیں ہیں جو ندوہ کے امتیازات میں شمار کی جاتی ہیں باقی جہاں تک مدرسہ کا تعلق ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء اور دیگر مدارس سب ایک برادری ہیں خاص طور پر وہ مدارس جو علم دین کی ترویج کے لئے اور تعلیم کے لئے قائم ہیں ان میں اگر فرق ہے تو یہی فرق ہے کہ ایک خاندان میں مختلف بھائی ہوتے ہیں، ہر بھائی کا چھوٹا سا خاندان الگ ہوتا ہے اس کا گھر الگ ہوتا ہے لیکن وہ سب مل کر ایک خاندان کہلاتے ہیں ان کی علی العموم قدریں ایک طرح کی ہوتی ہیں نہ صرف ان کی قدریں ہوتی ہیں ان کی زندگی کے انداز ملتے جلتے ہوتے ہیں اور انفرادی طور پر ہر صاحب خانہ کا اپنا گھر الگ ہوتا ہے اور اس کی اپنی مخصوص قدریں بھی ہوتی ہیں یہی حال ہمارے ان مدارس عربیہ اسلامیہ کا ہے کہ وہ ایک تو وہ قدریں اور خصوصیات رکھتے ہیں کہ جو ان میں مشترک ہیں اور مشابہ ہیں اور کچھ خصوصیات ایسی ہیں کہ جن سے ایک ادارہ کا دوسرے ادارہ سے امتیاز پیدا ہوتا ہے اور اس سے وہ مختلف ہیں ان میں جو خصوصیات مشترک ہیں وہ بھی اہم ہیں اور ان کی بھی حفاظت کی بڑی ضرورت ہے اور ان کو سینے سے لگانے کی ضرورت ہے اور وہ خصوصیات و امتیازات جو مخصوص قسم کے ہیں ان کو بھی سینے سے لگانے کی ضرورت ہے اور ان کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔ یہ خصوصیات و امتیازات ایک تو وہ ہیں کہ جو آپ کو دستور العمل میں ملیں گی اور جن کی ہدایت آپ کو کی جاتی ہے لیکن ان میں کچھ ایسی بھی ہوتی ہیں جو ہم نے اپنے ادارہ کے اسلاف سے حاصل کیا ہے، ان کی زندگیوں کے مطالعہ سے ان کی کوششوں کے مطالعہ سے، ان کی جد و جہد سے ہم نے وہ چیز سیکھی ہے، ہمیں اسلاف سے جو ورثہ ملا ہے وہ بھی عظیم ورثہ ہے اور اس سے ہماری مخصوص قدریں بنتی ہیں، ہماری خصوصیات بنتی ہیں، ہمارا امتیاز ان سے قائم ہوتا ہے، ندوۃ العلماء ان دونوں چیزوں پر مشتمل ہے ہماری جو تاریخ گزری ہے اس تاریخ میں بڑی اہم شخصیتیں گزری ہیں، ان کا زندگی میں جو کام ہے اور انھوں نے جو جد و جہد کی ہے اور علم سے ان کا جو لگاؤ اور جو ان کی وابستگی ہے اور علم میں ان کا جو مقام ہے جس طرح ان کے مطالعہ میں ان کی تحریروں میں ان کی علمی کاوشوں میں جو ہم کو روح ملتی ہے اور جو گہرائی ملتی ہے اور جو وسعت ملتی ہے یہ سب ہمارے لئے ایک عظیم ورثہ ہے، ان سے ہم کو بہت

کچھ سیکھنا ہے اور سیکھنا چاہئے اور ہماری قدریں ہماری خصوصیات ان کو شامل کر کے ان سے فائدہ اٹھا کر ہی بنیں گی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کو کوئی دور دیکھنے پڑے، ہمارے اسلاف کا جو دور تھا وہ آج سے بہت مختلف تھا وہ دور اتنی وسیع مشکلات نہیں رکھتا تھا اتنی پیچیدگیاں نہیں رکھتا تھا جتنی پیچیدگیاں اس زمانہ میں ہمارے سامنے آئی ہیں اسی طرح اس زمانہ میں تعلیمی اداروں اور درسگاہوں میں وہ دشواریاں نہیں تھیں، وہ خرابیاں نہیں تھیں جو آج پیدا ہو گئی ہیں آج جب ہم اپنی تعلیمی برادری کو دیکھتے ہیں تو بہت زیادہ افسوسناک حالات اور واقعات ہمارے سامنے آتے ہیں اگر ہم اپنی تعلیمی برادری کی مکمل برابری کرنے لگیں ان کی پوری نقل کرنے لگیں اور ہم یہ چاہیں کہ ہم ان کی طرح ہو جائیں تو اس میں ہماری تھوڑی بہت غلطی ہوگی، اس صورت میں ہم اپنے عظیم ورثہ کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، اس لئے ہمیں یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو چیزیں رائج ہو گئی ہیں اور جو چیزیں ہماری تعلیمی برادری میں عام ہو چکی ہیں ان کو ہم کہاں تک اختیار کر سکتے ہیں اور کہاں تک ان کو چھوڑنا چاہئے اس میں ہم کو رہنمائی اپنے بڑوں سے ملے گی، اور اس رہنمائی کی ہم کو بڑی ضرورت ہے، اس رہنمائی میں ہم کو کچھ باتیں ایسی بھی محسوس ہو سکتی ہیں ــــ (اذان)۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ حالات اتنے پیچیدہ ہیں کہ ہمیں اس میں پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور اس سلسلہ میں ہمیں اپنے بڑوں کی رہنمائی کی یقیناً ضرورت ہے اور اس رہنمائی میں ہم کو کچھ باتیں ایسی محسوس ہو سکتی ہیں جن سے ہم اتفاق نہ کریں لیکن اس چیز میں شبہ نہیں کہ بڑے اپنے اخلاص اور اپنے تجربہ کے مطابق کام کرتے ہیں ان کے تجربہ اور اخلاص کی قدر کی ضرورت ہے، ہمارے دار العلوم ندوۃ العلماء میں جو ماحول ہے وہ بہت ہی لائق شکر اور باعث قدر ہے۔ طلبہ میں جو خصوصیات ہیں سعادتمندی کی اور مشوروں کو قبول کرنے کی اور ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے کی جن کا ان کو مشورہ دیا جاتا ہے وہ بہت غنیمت ہیں اس میں کمی ہو سکتی ہے اور اس کمی کی طرف ہم لوگ توجہ دلاتے ہیں اور آپ لوگ بھی دلوں میں محسوس کرتے ہوں گے، اپنے رفقاء سے کہتے ہوں گے اور کہنا پڑتا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم انھیں بہت زیادہ لائق ملامت سمجھتے ہیں۔ عربی کا ایک شعر میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ شاعر کہتا ہے،

قسا لیزدجروا ومن یک حازمًا
فلیقس أحیانًا علیٰ من یرحم

اس شخص نے سختی استعمال کی تاکہ نصیحت حاصل ہو، اور جو شخص بھی سمجھدار ہے اس کو چاہئے کہ کبھی کبھی سختی کیا کرے اس شخص کے ساتھ جس کے ساتھ وہ شفقت کرتا ہے ایسی سختی شفقت ہی میں شمار کی جائے گی۔ اگرچہ اس کا احساس شفقت میں شمار کرنے کا نہیں ہوتا لیکن وہ سختی شفقت ہی کا ایک جزء ہے جو سختی اس لئے کی جائے کہ اس سے اصلاح ہو، جس سے ترقی ہو وہ شفقت میں شمار ہوتی ہے۔ ہمارے عزیز طلبہ کی الحمد للہ یہ بڑی خصوصیت ہے جو سامنے زیادہ نہیں کہنا چاہئے کہ ان میں سعادتمندی، شرافت اور قدر اساتذہ کی اور مدرسہ کی ان سہولتوں کی جو مدرسہ نے دی ہیں اچھی خاصی ہے اور یہ بہت لائق قدر بات ہے، باقی یہ کہ ایک ایک آدمی اس سے سرشار ہو جائے ایسا کسی ماحول میں نہیں ہوتا کوئی اچھے سے اچھا ماحول ہو اس میں ضرور کچھ نہ کچھ کمزوریاں ہوتی ہیں لیکن جب جائزہ لیا جائے گا تو غالب چیز کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا، تو ہم بہت قابل شکر سمجھتے ہیں اپنے اس ماحول کو، اپنے عزیز طلبہ کے طرز عمل کو اور ان کی لیاقت کو لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں اس درجہ تک پہونچ گئے ہیں کہ ان کو کسی رہنمائی کی یا کسی فہمائش کی ضرورت نہیں ہے، رہنمائی و فہمائش دونوں کا سلسلہ جاری رہنا چاہئے اور جتنا وہ جاری رہے گا اتنا ہی مقصد کے حصول میں مدد ملے گی اور اتنا ہی فائدہ ہوگا۔ اور اگر محبت ہی محبت کی جائے تو اس کا اچھا نتیجہ نہیں نکلتا۔

عزیز بھائیو! آپ میں سے کچھ وہ ہیں جو اس ادارہ کو چھوڑ کر جا رہے ہیں ان سے مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اساتذہ کا تعلق طلبہ سے اس طرح کا ہوتا ہے جیسے ایک باغبان کا تعلق ان درختوں سے ہوتا ہے جن کی آبیاری اور جن کی خدمت میں وہ برسوں لگا رہا ہو آپ کسی باغبان سے جا کر پوچھیں جس نے اس کی آبیاری اس کی نگہداشت اور اس کی فکر مہینوں کی ہو یا سالوں کی ہو آپ اس سے پوچھئے کہ اس کا اس درخت سے کیا لگاؤ اور کیا تعلق ہوگا اس درخت کی ایک ایک شاخ سے اس کے ایک ایک پتے سے اس کو تعلق ہوگا وہ نہیں چاہے گا کہ اس درخت کو کسی طرح کا گزند پہونچے گرم ہوا کے یا اس کی کوئی شاخ سوکھ جائے، یہی حیثیت اساتذہ کی ہوتی ہے اپنے ان طلبہ کے ساتھ جن پر انھوں نے کچھ عرصہ محنت کی ہو تو آپ کو یہ تصور رکھنا چاہئے کہ اساتذہ نے آپ کے ساتھ محنت کی ہے اور میں بحیثیت استاذ ہی کے اس موقع پر بات کر رہا ہوں ظاہر ہے کہ ان کو آپ سے کتنا تعلق ہوگا یہ ایک فطری بات ہے یہ کوئی نیکی یا برائی کی بات نہیں، فطری بات ہے آپ یہاں سے فارغ ہو کر جہاں بھی جائیں گے جہاں بھی رہیں گے ان اساتذہ کو آپ سے تعلق رہے گا اور وہ اس بات کی فکر رکھیں گے کہ آپ کامیاب ہوں ترقی کریں، اور ان مقاصد کا حصول آپ کو ہو، جو مقاصد بلند ہیں جو آپ کی مصلحت اور آپ کی خیر کے لئے ہیں اور جو طلبہ یہاں ہیں ان کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جو کچھ بھی ہے وہ آپ کی خیر خواہی کے لئے ہے آپ اس کی قدر کیجئے اس لئے کہ آپ کو بھی اسی طرح اس ادارہ کو چھوڑنا ہے اس کے بعد پھر صورت حال بدل جاتی ہے اتنا ربط قائم نہیں رہ سکتا اتنا آپ استفادہ بھی نہیں کر سکتے، اس لئے آپ اس کی قدر کریں اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں اور اس بات کو اپنے سامنے رکھیں کہ ایک دینی مدرسہ اور خاص طور پر ندوۃ العلماء جس میں آپ پڑھ رہے ہیں، اس کی کیا خصوصیات ہیں، کیا امتیازات ہیں اور کیا آپ کو ورثہ ملا ہے اپنے اسلاف سے اور کیا آپ کو رہنمائی ملی ہے ان کتابوں سے اس دستور العمل سے، ان ہدایات سے جو آپ کو ندوہ میں ملتی ہیں ان سب کو سامنے رکھ کر آپ اپنی راہ کو درست بنانے کی اور اپنے کو زیادہ سے زیادہ بہتر راستہ پر چلانے کی کوشش کریں، یہ میں آپ کے ایک بڑے عزیز کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں آپ اگر اس پر قائم رہیں گے اور اس کو کریں گے ان شاء اللہ کامیابی آپ کو ضرور حاصل ہوگی، والحمد للہ اولاً و آخراً وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

اس کے بعد جناب ماسٹر عبد السمیع صاحب نے جلسہ کے سلسلہ میں اپنے تأثرات کا اظہار فرمایا۔

النادی العربی کا تقسیم انعامات کا جلسہ:

اللجنة الخطابية

طبقۂ علیا:

(۱) آفتاب عالم (۲) محمد یوسف صدیقی
(۳) محمد طاہر و محمد بن عبد القادر
بقیہ ۶ شرکاء کو تشجیعی انعامات

طبقۂ وسطیٰ:

(۱) محمد ایوب کشمیری (۲) اسد اللہ
(۳) احمد فہمی زمزم
(۴) حسنین احمد — تشجیعی انعام
(۵) بہار الدین — ״ ״

سفلیٰ اولیٰ	سفلیٰ ثانیہ
۱۔ کمال اختر خاں	۱۔ محمد عبید
۲۔ ارشد کشمیری	۲۔ شمیم
۳۔ فضل الرحمان	۳۔ حبیب الرحمان

اللجنة الثقافية:

علیا:

(۱) حشمت اللہ (۲) رضی الاسلام
(۳) محمد بن عبد القادر و محمد طاہر
بقیہ ۹ شرکاء کو تشجیعی انعامات

طبقۂ وسطیٰ:

(۱) اسد اللہ (۲) بہار الدین
(۳) ایوب کشمیری
(۴) جاوید اقبال — تشجیعی انعام

خصوصی انعام:

امام الہدیٰ، سکریٹری النادی العربی
ضیاء الرحیم، سکریٹری اللجنة الثقافية

بقیہ ص ۳ ۔ اداریہ

ہوئے ہوتے ہیں اور ان کے پاس تجربات کے مقابلے میں جوش کا سرمایہ زیادہ ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہوش کے موقعوں پر بھی جوش سے مسئلہ حل کرنے کا رویہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بات خطرہ کی خاصی علامت بن گئی ہے۔

اس وقت ملت اسلامیہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ خود نمائی بے مقصد اظہار اور خالی خولی آرائش سے پرہیز کریں۔ اس کے زمانے کے اہم ترین تقاضوں کو سمجھنے کی کوشش کریں اور ان کے تدارک کے لئے پورے ہوش و اخلاص سے حل تلاش کیا جائے۔ امت کو وحدت اور مقصدیت کی بھی بڑی ضرورت ہے، تاکہ ہم مضبوط ہوں اور کسی بھی دشمن کے مقابلہ کے لئے امت اس طرح سامنے آئے جس طرح قرآن مجید کی اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ کانھم بنیان مرصوص کہ گویا سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

فقہ کا صفحہ

مسائل، جن کا جاننا ضروری ہے

(ادارہ)

سوال: پراوڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: پراوڈنٹ فنڈ کی رقم اگر بقدر نصاب ہو یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے، لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ حصول ہوگا اسی وقت زکوٰۃ فرض ہوگی اور اسی وقت اس کی ادائیگی ضروری ہوگی۔ وصیابی سے قبل پراوڈنٹ فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے بالفاظ دیگر پچھلے برسوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہے جب یہ فنڈ وصول ہوگا اسی وقت اس کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

سوال: ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر زکوٰۃ فرض ہے بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئرز ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں چونکہ مشینری، مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگت بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری، مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے اس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔

سوال: کارخانے اور ملوں وغیرہ کی مشینوں پر جن کی مالیت لاکھوں روپے کی ہوتی ہے زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: کارخانے اور مل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے چاہے ان کی مالیت جتنی بھی ہو، البتہ ان میں جو مال تیار ہوتا ہے ان پر زکوٰۃ فرض ہے اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کے لئے رکھا ہوتا ہے ان پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

سوال: ایک عورت کے پاس سونے اور چاندی کے زیورات ہیں لیکن علیحدہ علیحدہ ان میں سے کوئی بھی بقدر نصاب نہیں ہے، یعنی سونے کے زیورات ۸۵ گرام سے کم ہیں اسی طرح چاندی کے زیورات بھی ۶۰۰ گرام سے کم ہیں اس پر زکوٰۃ فرض ہے یا نہیں؟

جواب: سونے اور چاندی کے زیورات اگر علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب نہ ہوں لیکن ان کی مجموعی قیمت بقدر نصاب ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ فرض ہے یعنی سونے اور چاندی کے زیورات کی قیمت اتنی ہو رہی ہے جس سے ۸۵ گرام سونا یا ۵۹۵ گرام چاندی خریدی جاسکتی ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ اگر مجموعی قیمت سے ۵۹۵ گرام چاندی یا ۸۵ گرام سونا خریدا نہ جاسکتا ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

سوال: سال پورا ہونے سے پہلے پیشگی زکوٰۃ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دیدے تو جائز ہے البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔

سوال: نجاست کی کتنی مقدار معاف ہے؟

جواب: اگر نجاست غلیظہ غیر سیال ہو تو درہم کی برابر وزن میں معاف ہے اور اگر نجاست غلیظہ سیال ہے تو درہم کی برابر پیمائش میں معاف ہے۔ نجاست خفیفہ چوتھائی حصہ کے بقدر معاف ہے۔ لیکن معاف ہونے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اگر اتنی نجاست لگ جائے تو دھونا ضروری نہیں ہے۔ نجاست کم ہو یا زیادہ اس کو دور کرنا اور جسم اور کپڑے کو اس سے پاک وصاف رکھنا ضروری ہے۔ نجاست دور کرنے پر قادر ہونے کے باوجود نجاست کے ساتھ نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے، معاف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر اتنی نجاست لگی ہو اور دھونے پر قدرت نہ ہو تو اس کی موجودگی میں نماز ہو جائے گی اس طور پر فرضیت ادا ہو جائے گی۔

سوال: نجاست خفیفہ میں چوتھائی حصہ کے بقدر معاف ہے اس کا کیا مطلب ہے؟ آیا کل کپڑے کی چوتھائی مراد ہے یا جس حصہ پر نجاست لگی ہے اس کا چوتھائی حصہ مراد ہے؟

جواب: اگر کپڑے میں اجزاء نہ ہوں، جیسے عمامہ، چادر، رومال وغیرہ تو اس میں کل کا چوتھائی حصہ معتبر ہوگا۔

اگر کپڑے میں اجزاء ہوں اور چند اجزاء سے جوڑ کر بنایا گیا ہو جیسے کرتا، پاجامہ وغیرہ کہ ان میں کلی، آستین، آگا، پیچھا اور پائنچے وغیرہ ہوتے ہیں تو ایسی حالت میں جس جزء پر نجاست لگی ہوگی اس کا چوتھائی حصہ معتبر ہوگا اسی طرح اگر پاجامہ کے ایک پائنچہ میں نجاست لگ جائے تو اس پائنچہ کا چوتھائی حصہ معتبر ہوگا۔ اسی طرح جسم کے جس عضو پر نجاست لگی ہو اس کا چوتھائی حصہ معتبر ہوگا۔

سوال: کھلیان ماڑنے کے وقت بیل غلہ پر پیشاب کر دیتے ہیں اس غلہ کا کیا حکم ہے؟

جواب: کھلیان ماڑنے کے وقت بیل کے پیشاب کرنے سے غلہ ناپاک نہیں ہوگا۔ ضرورت کی وجہ سے معاف ہے، اگر کھلیان ماڑنے کے علاوہ دوسرے وقت میں بیل غلہ پر پیشاب کر دیں تو غلہ ناپاک ہو جائے گا۔

سوال: راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک ہوگا یا نہیں؟

جواب: راستوں کی کیچڑ اور ناپاک پانی معاف ہے، اس کے لگ جانے سے جسم یا کپڑا ناپاک نہیں ہوگا بشرطیکہ اس میں نجاست کا اثر نہ معلوم ہو، اگر اس میں نجاست کا اثر ہو تو پھر معاف نہیں ہے اور اس کے لگ جانے سے جسم اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

سوال: ایک شخص کی بیوی کا انتقال ہوا، اس کا مہر نہ دیا گیا اور نہ معاف ہوا تھا۔ اب مہر کی ادائیگی کس صورت سے ہو سکتی ہے؟ مسجد وغیرہ کے کام میں یہ روپیہ صرف ہو سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: بیوی کا مہر اگر ادا نہ ہوا تھا اور نہ اس نے معاف کیا تھا اور وہ انتقال کر گئی تو اس کے مرنے کے بعد وہ مہر اس کے ورثہ کے درمیان تقسیم ہوگا۔ ان وارثوں میں شوہر بھی شامل ہے۔ دیگر ورثہ کی موجودگی میں تنہا شوہر اس روپیہ میں تصرف کر سکتا ہے، تقسیم ہونے کے بعد ہر وارث اپنے حصہ کا روپیہ جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے اسی طرح اگر تمام ورثہ مل کر اپنی خوشی ورضا سے اس روپیہ کو مسجد وغیرہ کے کام میں صرف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں بشرطیکہ ان وارثوں میں کوئی نابالغ نہ ہو، نابالغ کا حصہ مسجد میں صرف نہیں کیا جاسکتا ہے۔ اس سلسلے میں نابالغ کی اجازت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ اس کا حصہ الگ کرنے کے بعد بقیہ ورثا اگر اپنے حصے کو مسجد یا کسی دوسرے نیک کام میں صرف کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں، اگر وارثوں میں شوہر کے علاوہ کوئی دوسرا نہ ہو تو ایسی صورت میں مہر کی رقم کا مالک شوہر ہوگا اور وہ جہاں چاہے صرف کر سکتا ہے۔!!

سوال: اقامت کے وقت مقتدی اور امام شروع سے کھڑے ہوں یا بیٹھے رہیں اور اس وقت کھڑے ہوں جب کہ اقامت کہنے والا حی علی الفلاح کہے۔

جواب: رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ وتابعین کے تعامل سے معلوم ہوتا ہے کہ امام جب مسجد میں آجائے تو اول اقامت ہی سے سب لوگ کھڑے ہو کر صفیں درست کر لیں۔ فقہ حنفی کی بعض کتابوں میں یہ لکھا ہے حی علی الفلاح پر کھڑا ہونا مستحب ہے لیکن اس وقت کھڑا ہونا مستحب اس معنی میں ہے کہ اس وقت تک ضرور کھڑا ہو جائے اس کے بعد بیٹھا نہ رہے کہ اس کے بعد بیٹھا رہنا خلاف ادب و مکروہ ہے۔ اس سے پہلے کھڑا ہونا مکروہ نہیں ہے کیونکہ اس میں طاعت کی طرف مسارعت ہے جو مستحب اور پسندیدہ ہے رہی یہ صورت کہ امام باہر سے یا مسجد کے کسی گوشے سے چل کر آئے اور آکر مصلی پر بیٹھ جائے اور اس بیٹھنے کو اس درجہ ضروری سمجھے کہ جو لوگ پہلے کھڑے ہوں ان کو بھی بیٹھ جانے کی تاکید کرے اور جو نہ بیٹھے اس کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنائے یہ امت میں کسی امام کا مذہب نہیں ہے اس لئے اس سے بچنا چاہئے اور اس طریقہ پر عمل کرنا چاہئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین اور جمہور صحابہ وتابعین کرام سے ثابت ہے یعنی شروع اقامت سے کھڑے ہو کر صفوں کو درست کر لینا چاہئے۔ اس مسئلہ کو بنیاد بنا کر جھگڑنا درست نہیں ہے۔ نرمی کے ساتھ مسئلہ کی نوعیت لوگوں کو بتا دینا چاہئے لیکن اگر کوئی اسے قبول نہ کرے اور بیٹھنے ہی پر اصرار کرے تو اس سے سکوت بہتر ہے۔ اپنا عمل سنت کے مطابق رکھے۔ دوسروں سے تعرض نہ کرے۔

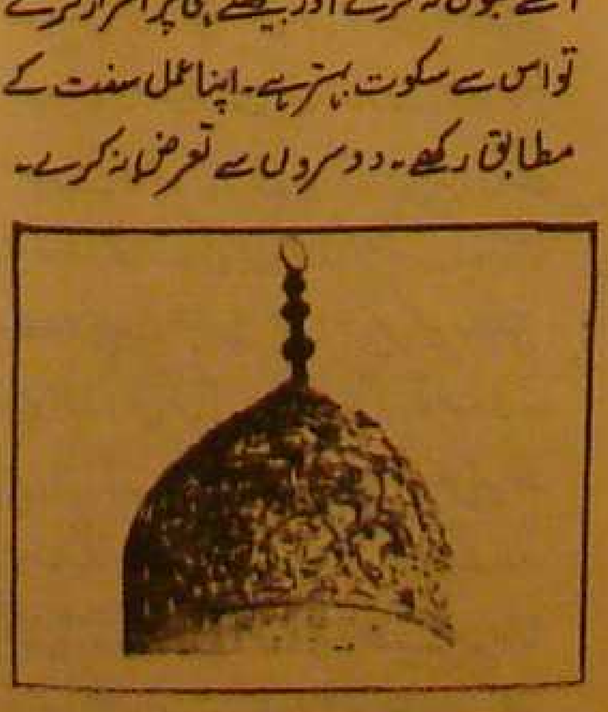

از محمد الازہار ندوی

دار المصنفین اعظم گڑھ کا سیمینار

مقالات کی نشست

مقالات کی چوتھی نشست ۲۲ فروری کو بعد نماز مغرب منعقد ہوئی جناب حکیم محمد سعید صاحب ہمدرد فاؤنڈیشن کراچی پاکستان نے صدارت کی اور انھیں کی تلاوت سے اس نشست کا آغاز ہوا۔ نظامت کے فرائض ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری پٹرولیم یونیورسٹی ظہران نے انجام دئے۔

اس نشست میں سب سے پہلا مقالہ جناب ڈاکٹر تقی الدین ندوی مشیر شرعی وزارت عدل، ابوظبی نے السنۃ مع المستشرقین والمستغربین پر پڑھا۔

السنۃ مع المستشرقین والمستغربین

مولانا نے ابتدائے مقالہ میں اسی خواہش کا اظہار کیا کہ علامہ شبلی نعمانی اور ان کے شاگرد علامہ سید سلیمان ندوی اور ان دونوں کے شاگردوں نے جو کچھ مستشرقین اور منکرین حدیث کے متعلق رد میں لکھا ہے اور حدیث اور سنت نبوی کے سلسلہ میں جو مواخذہ اور طریقہ کار متعین کیا ہے اور جب سب سے پہلے انکار حدیث کا فتنہ کھڑا ہوا تو سید صاحب نے "السنۃ وما الحاجۃ الیہا" میں ان کی تردید کی ہے کو پیش کروں، اور اس موضوع پر میرے علم کی حد تک کسی نے لکھا بھی نہیں ہے لیکن موضوع کے وسعت کے پیش نظر میں نے اسی موضوع کا انتخاب کیا۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ مستشرقین اور منکرین حدیث نے سنت نبوی کو کتاب اللہ کے بعد شریعت اسلامی کے دوسرے ماخذ کی حیثیت سے گرانے کے لئے اپنی پوری توانائیاں اور کاوشیں صرف کیں اور وہ چاہتے تھے کہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام کے شیرازہ کو پاش پاش کر دیں اور وہ اسی کی تلاش میں زنادقہ سے قریب ہو گئے اور ان کے ان خیالات سے عالم عربی کے جدید تعلیم یافتہ ادباء بھی متاثر ہوئے ہیں انھوں نے مغربی مؤرخوں ادیبوں کی کتابیں پڑھیں اور ان سے استفادہ کیا۔

ان مستشرقین کا حال یہ تھا کہ انکو حکومتوں اور بڑے بڑے اداروں کی سرپرستی حاصل تھی وہ جو کچھ لکھتے ہیں، مطالعہ کرتے ہیں، اور تحریر کی شکل میں لاتے ہیں اسے علمی رنگ کا قالب دیتے ہیں اور مطبوعہ و قلمی کتابوں کے مراجع و حوالات اتنی کثرت سے پیش کرتے ہیں کہ مغرب زدہ، تعلیم یافتہ مسلمان ان کی کتابوں کا حوالہ دیے اور اقتباسات نقل کرنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

انھوں نے المعجم المفہرس اور مفتاح کنوز السنۃ جیسی اہم کتابیں عالم اسلامی کے سامنے پیش کیں اور پروفیسر احمد محمد شاکر نے مفتاح کنوز السنۃ کے مقدمہ میں ان مستشرقین کی تعریف کی ہے لیکن وہی مستشرقین جب اسلامی انسائیکلوپیڈیا لکھتے ہیں تو حدیث اور سنت نبوی پر تنقید کرتے ہیں اور اس کی بھی تردید پروفیسر احمد محمد شاکر نے کی ہے لیکن افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں میں ایک جماعت ایسی ہے جو ان مستشرقین کی تحریروں کو بغیر کسی تحقیق وبحث کے نقل کرتے ہیں اور ان میں سے بعض تو ایسے ہیں جو عالم عربی میں زبان وقلم کی حیثیت سے مانے جاتے ہیں ان میں ڈاکٹر احمد امین ہیں انھوں نے حدیث کے متعلق جو اظہار خیال کیا ہے اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں ہے اور اس کو علمی غلطی سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا ہے بلکہ اس کو تحریف سے تعبیر کیا جانا چاہئے کیونکہ وہ گولڈ زیہر اور اس قسم کے مستشرقین سے اتنے زیادہ متاثر ہیں کہ ان مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے اسے انھوں نے آنکھ بند کر کے قبول کر لیا ہے اور اسی طرح موجودہ علماء میں فواد سزگین ہیں جن کی علمی حیثیت سے بڑی شہرت ہے اور ان کی کتاب تاریخ التراث العربی اہم کتابوں میں ہے انھوں نے اس کی دوسری جلد میں ایک مستقل باب قائم کیا ہے جس میں انھوں نے علم حدیث کے متعلق تصورات تفصیلات و کتابت کے متعلق مختلف رایوں کا اظہار کیا ہے۔

فواد سزگین نے امام بخاری پر سخت تنقید کی ہے اور وہ لکھتا ہے کہ ان کے زمانہ سے اسناد حدیث میں انحطاط پیدا ہو گیا بدأ الامام بخاری من الانہیار فی الحدیث گویا امام بخاری کے زمانہ سے اسناد کی اہمیت کم گئی۔ انھوں نے لکھا ہے کہ امام بخاری نے معلق (احادیث (بغیر سند) کے ذکر کیا ہے اور ان کی تعداد ۱۳۰ ہے لیکن ان میں سے اکثر اسانید کو امام بخاری نے خود نقل کر دیا ہے اور باقی ۱۴۳ حدیثوں کے اسناد بھی حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب تغلیق التعلیق میں بیان کر دی ہیں اور اس موضوع پر ایک کتاب ایڈٹ بھی ہو گئی ہے اور وہ چھپ رہی ہے۔ اس میں رجال و رواۃ پر حافظ ابن حجر نے پوری گفتگو کی ہے۔

اس سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ اولاً امام بخاری نے معلق احادیث کو موضوع سے ہٹ کر استشہاد کے طور پر ذکر کیا ہے مگر فواد سزگین نے مستشرقین کی باتوں کو نقل کرتے ہوئے یہ تاثر دیا ہے کہ امام بخاری نے اسناد کی اہمیت کو کم کر دیا۔

مولانا نے مستشرقین کے تخیل اور افتراء پردازیوں کا نمونہ پیش کرتے ہوئے یہ بتایا کہ جس طرح مستشرقین نے امام زہری کے متعلق یہ تحریر کیا ہے کہ انھوں نے جمع حدیث کا کام نہیں کیا ہے بلکہ امراء بنی امیہ کو خوش کرنے کے لئے وضع حدیث کا کام کیا ہے۔ اس کی طرف فواد سزگین نے بھی اشارہ اس انداز سے کیا ہے گویا اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور اسی طرح امام بخاری اور محدثین کے حافظہ کہ انھوں نے ایک ہی مجلس میں سو احادیث اور تبدیل شدہ سندوں کی تصحیح کر کے پیش کرنے کے واقعہ پر اپنے شکوک وشبہات ظاہر کئے ہیں۔

اس کے متعلق مولانا نے جواب دیا کہ امام بخاری نے چھ لاکھ احادیث میں سے ۲۶۰۲ مرفوع احادیث کو اپنی کتاب میں جمع کی ہیں۔ اور اس میں کوئی کلام نہیں کیا ہے۔

اس نشست میں دوسرا مقالہ جناب مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی امیر جماعت اسلامی ہند کا تھا آپ نے اپنا مقالہ "نظرۃ خاطفۃ علی موضوع الاسلام والمستشرقین" پڑھا۔

نظرۃ خاطفۃ علی موضوع الاسلام والمستشرقین

مولانا نے اپنے مقالہ میں فرمایا کہ الاسلام والمستشرقون کے موضوع پر دار المصنفین میں سیمنار کا منعقد ہونا اس بات کا پتہ دے رہی ہے کہ اس سلسلہ میں ہندو بیرون ہند میں بیداری پائی جا رہی ہے اور اس موضوع پر عالم اسلام کے کسی حصہ میں بھی احتجاج ہو سکتا تھا لیکن اس سلسلہ میں دار المصنفین کا استحقاق بھی کچھ کم نہیں ہے اور اسی ضمن میں مولانا نے دار المصنفین کا علمی تعارف کرایا اور اس موضوع سے متعلق کتابوں کا ذکر کیا۔

مولانا نے اپنے مقالہ میں مستشرقین کی خدمات کو سراہا اور فرمایا کہ ان کی کوششوں سے بہت سی قدیم قیمتی کتابیں منظر عام پر آئیں۔ انھیں ہماری کتابوں اور مشرقی علوم سے شغف کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب یورپ کا سیاسی غلبہ ساری دنیا پر قائم ہو چکا تھا اور انھیں مشرق کے حالات سے واقفیت ضروری تھی تو اس کام کے لئے ان مستشرقین کی جماعت سامنے آئی، اور یہ جو بھی خدمت انجام دے رہے ہیں ان میں استثناء تو ضرور ہے مگر اکثریت ان صلیبی جنگوں کے نتیجہ میں اسلام ومسلمانوں کے خلاف جو جذبہ کارفرما ہوا تھا وہ اس سے بالاتر نہیں ہو سکتے ہیں اور اس لئے کم تر لوگ ہیں جو حق کو جاننے کے بعد حق کا صحیح اظہار بھی کریں۔ اور اس سلسلہ میں آپ نے مثالوں کے ذریعہ واضح کیا کہ مستشرقین نے کس طرح سے سیرت کے بعض گوشوں کو ہدف تنقید بنایا۔

مولانا نے اپنے مقالہ میں مستشرقین کی زہریلی روش کا تذکرہ کرنے کے بعد تریاق کے طور پر چند باتوں کی طرف توجہ دلائی۔

مولانا نے سب سے پہلی بات یہ فرمائی کہ جب تک مستشرقین کو علوم اسلامیہ کے میدان میں مرجع کی حیثیت حاصل رہے گی ان کو موقع ملتا رہے گا کہ وہ مسلمانوں کے درمیان شک وشبہ پیدا کرتے رہیں اس لئے اس سے غفلت نہیں برتنی چاہئے۔ اور ضروری ہے کہ ان کی کوششوں سے بروقت آگاہ ہوں تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو کوششیں ہو رہی ہیں آگاہ کیا جائے اور بروقت اس کا جواب دیا جاسکے، اور دوسری ضرورت یہ ہے کہ اسلام کے فضائل ومحاسن ومناقب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے اچھے پہلوؤں پر مثبت انداز میں کتابیں شائع کریں جن کا درجہ علمی وتحقیقی اعتبار سے اگر بلند نہ ہو لیکن مستشرقین کی کتابوں سے فروتر بھی نہ ہوں جب تک ہم اس کا صحیح بدل نہ فراہم کر سکیں اس وقت تک لوگوں کو مستشرقین کی کتابوں سے باز نہیں رکھ سکتے ہیں۔

مولانا نے تیسری اور آخری بات یہ کہی کہ اسلام کو زندہ نمونے کے طور پر دنیا کے سامنے لانے کی کوشش کریں اور اپنے

انفرادی و اجتماعی عمل کے ذریعہ اسلام کو سمجھنے میں مدد کریں اور اس کے ذریعہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے بارے میں جان سکیں گے کہ وہ صرف مسلمانوں کے نبی بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے بلکہ آپ تمام دنیا کے لئے ہادی بنا کر بھیجے گئے تھے اور آپ ہی کی تعلیمات میں ان مسائل کا حل مضمر ہے جن سے دنیا دوچار ہے۔

اس نشست میں تیسرا مقالہ جناب سید حامد صاحب وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی کا تھا انھوں نے اپنا مقالہ عوامل اور ردِ عمل کے موضوع پر پڑھا۔

عوامل و ردِ عمل

ڈاکٹر حامد نے وقت کی قلت کی وجہ سے اپنے مقالہ کے عنوانات پیش کئے اور اس کے بعد اس کے کچھ حصے پڑھے۔ اس کا پہلا عنوان تھا مستشرقین سے ہمیں گلہ کیوں ہو۔ ہم نے جب سے تحقیق کے میدان کو چھوڑا، اور مستشرقین کے سپرد کر دیا، میدان خالی ہے اس کے بعد نتیجہ ظاہر تھا۔ شکایت ہمیں مستشرقین سے ہو سکتی ہے اس سے زیادہ شکایت ہمیں خود سے کرنا چاہئے۔ مستشرقین کے انداز بیان کا مطالعہ کیا جائے تو یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس زمانہ میں عیسائیوں کو مسلمانوں سے زیادہ خطرات ہوئے اس زمانہ میں ان کے اعتراضات کی شدت بڑھی اور جب انھوں نے یہ محسوس کیا کہ اب ہمیں خطرہ نہیں ہے تو ان کے اعتراضات میں کچھ کمی آئی یہ اتار چڑھاؤ برابر ہوتا رہا ہے۔ اس آخری دور میں مستشرقین نے یہ روش اختیار کی ہے کہ وہ کھل کر شدت سے مخالفت نہیں کرتے ہیں بلکہ ایک سلیقہ سے ایک قرینہ سے وہ اعتراضات پیوست کر دیتے ہیں جو بعد میں خلش و خلفشار کے باعث ہوتے ہیں مگر پہلے دور اور اس دور کے مستشرقین کے نقطۂ نظر میں بنیادی طور پر یہ فرق ہے کہ پہلے ان کے مخاطب اصل یورپ تھے اب ان کی کوششیں یہ ہیں کہ مسلمان راسخ العقیدہ نہ رہ پائیں اور گمراہ ہو جائیں۔

ہندوستان کے سلسلہ میں یہ عرض کرنا ہے کہ ملت دونیم ہو گئی ہے ایک طبقہ تو دین کا پاسبان ہے اور دوسرا طبقہ جدید تعلیم سے واقف ہے۔ ملت کا دونیم ہونا یہ خطرہ کا نشان ہے اور اگر ہم اس پر قادر نہ ہوئے کہ اپنے ان طلبہ و بچوں کو جو جدید تعلیم پاتے ہیں شروع میں اپنے ہاتھ میں لیں اور نقش اول ہمارے دین اور ہماری تہذیب کا ہو تو مستشرقین کی ردّ کی ہماری کوششیں خدانخواستہ کامیاب نہ ہو سکیں گی۔

سید حامد صاحب نے اپنے مقالہ میں ردِ عمل کا اظہار ان لفظوں میں کیا، ہمارا ردِ عمل ہمیشہ جذباتی ہوتا ہے ہم تدبر سے کام نہیں لیتے سنجیدگی سے کام نہیں لیتے۔ ہم یہ کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں کہ مستشرقین نے بڑی اسلام دشمنی کی ہے لیکن کبھی اس پر سنجیدگی سے کوئی کوشش نہیں کرتے اور جتنی محنت انھوں نے کی ہے اس کا سواں حصہ ہم محنت تو کریں بن جیئے گا۔ اگر ہم ایسا کر سکتے تو پھر ہمیں مستشرقین سے شکایت نہ ہوتی اور ہماری بھی کتابیں چھائی ہوئی ہوتیں۔

آپ نے یہ تجویز پیش کی کہ ہم نے جو تحقیق کا کام کیا ہے اسے انگریزی زبان میں منتقل کرنا ضروری ہے کیونکہ انگریزی زبان ایک عالمی زبان ہو گئی ہے اور بہت کچھ جو ہم کہہ رہے ہیں اور ہمارے محققین نے قابل قدر کام کئے ہیں اس میں سے بہت کم ایسے ہیں جو انگریزی زبان یا کسی یورپین زبان میں منتقل ہوئے ہوں۔ اور آپ نے فرمایا کہ اقوال سے زیادہ اچھی اور موثر تربیت اعمال سے ہوتی ہے اس کی مثالیں تاریخ میں ملتی ہیں۔ مستشرقین جب تک مسلمانوں سے دور رہے تو ان کے عناد میں شدت رہی اور جب مسلمانوں سے قریب آئے، اس دور میں جب مسلمان اسلام سے قریب تر تھے تو ان کا رویہ وہیں سے بدلنا شروع ہوا اور اس کے بہت سے شواہد ہیں۔

اور آپ نے علامہ اقبال کے ذیل کے اشعار جو غنی کشمیری کی نظم پر بہترین تضمین ہے بطور استشہاد اس بات پر پیش کیا کہ اصل فرنگ نے ہماری دولت سطوت، اقتدار تو چھینا ہی تھا ہمارے سب سے قیمتی سرمایہ ہمارے علوم بھی چھین لئے۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے؟
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا
غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شئی تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا
غنی روز سیاہ پیر کنعاں را تماشا کن
کہ نور دیدہ اش روشن کند چشم زلیخا را

کتابوں سے مراد علوم ہی نہیں بلکہ وہ زاویہ نگاہ بھی ہے جو علم کا سرچشمہ ہے ہم سے وہ زاویہ نگاہ چھین لیا ہم سے جستجو و آرزو چھین لی، ہم سے وہ جذبہ چھین لیا جو حقیقت کی تہ تک پہونچنے کے لئے بیتاب رہتا ہے جو علم کے وسیلہ سے کائنات کو تسخیر کرتا ہے جو انسانی ذہن کے افق کو بیکراں اور اس کے حوصلہ کو فلک شگاف بنا دیتا ہے۔ کتابیں ہاتھ سے کیا گئیں آفاق کی سیادت چھینی گئی۔ پیش رفت کا اسم اعظم حافظہ سے محو ہو گیا۔ جو صاحب ایجاد تھے وہ زندانی تقلید بن گئے جو عہد آخر میں تھے وہ عہدی ہو گئے ہماری کاہلی و جہالت نے یہ دن دکھائے کہ ہمارے علوم و فنون ہماری ادبیات ہماری تاریخ و جغرافیہ سب اغیار کے ہاتھوں میں چلی گئی ان سب کے لئے ہم ان کے دست نگر ہو گئے چنانچہ ہم اپنی تہذیب اور میراث کو مغرب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اقبال ہماری نادر کتابوں کو یورپ میں دیکھ کر درد سے تڑپ اٹھا اس نے ان میں ہماری علمی افلاسی کی داستان عبرت پڑھی، یورپ کو مشعل سونپ کر ہم جہالت کے نہاں خانوں میں چھپ گئے گویا ایک فرض تھا جسے ہم ادا کر چکے ایک بوجھ تھا جسے ہم اتار چکے۔ اپنی پشت پر سے ہم نے علم کا پشتارا پھینک کر دم لیا، اور اب شکایت کرتے ہیں کہ مستشرقین نے ہماری اس طرح حق تلفی کی ہے ہمارے ساتھ یہ ظلم کیا، علم و تحقیق، ریاضت و جستجو سے کنارہ کش ہو کر ہم ہی نے تو انھیں دعوت دی کہ ہم چلے اور سیاہ و سفید تمہارے ہاتھ میں ہے اب اگر انھوں نے ہمارے نامۂ اعمال کو سیاہ کر دیا تو حیرت کیا، شکایت کیوں؟ قدرت خلا کو گوارہ نہیں کرتا، چنانچہ جب علم کو چھوڑا، تحقیق سے جب ہم نے منہ موڑا تو اہل مغرب نے اس خلا کو پُر کیا اب ان سے یہ توقع کرنا کہ ہمارے ساتھ انصاف کریں یہ خیال خام ہے ان کے متعلق یہ سوچنا کہ ہمارے دین، تاریخ و تہذیب کو اسی زاویہ نگاہ سے دیکھیں جس سے ہم دیکھتے ہیں ایسی باتوں کا امید کرنا ہے جو ناممکن ہو۔ نارمن ڈینیل نے اپنی کتاب اسلام اور مغرب (تاثرات کی تشکیل میں) اسلام کے متعلق مغرب کے رویہ احساسات ردِ عمل اور نگارشات کا جائزہ لیا۔ کتاب کے آغاز میں لکھا ہے کہ نقل کفر کفر نہ باشد۔ گویا یہ اعتذار ہے مشتر مستشرقین کے طرز عناد کا، اس سے اس کی نیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ فاضل مصنف کہتا ہے "جب اسلام ایک بڑھتی ہوئی چڑھتی ہوئی طاقت تھا اس وقت تک مغرب کے عیسائی اپنے مذہب کے لئے اس کو سب سے بڑا خطرہ تصور کرتے تھے اسی عالم میں وہ مسیحیت کے دفاع کے لئے اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف زہر اگلتے رہے۔ انھوں نے ٹھان لی تھی کہ اسلام کے چہرے کو داستانوں، روایاتوں اور افواہوں اور کتابوں میں اس قدر مسخ کر کے پیش کیا جائے کہ اہل یورپ کو رغبت کے بجائے اس سے کراہت ہونے لگے، چنانچہ انھوں نے اسلام کا رشتہ بت پرستی سے جوڑنے میں بھی تامل نہ کیا، اور سارا یورپ مسلمانوں کو بت پرست سمجھنے لگا۔ ستم بالائے ستم اس دین کو جو فرد کی مسئولیت سادگی، فقر و ریاضت، راستگی و عبادت پر اس قدر زور دیتا ہے انھوں نے ہوسناکی اور عیش پرستی کا مسلک جواز ٹھہرایا، مسلمانوں کی تعریف بھی اگر کہیں کی تو عیسائیوں کو غیرت دلانے کے لئے یعنی مسلمان جو گمراہ و سیاہ کار ہیں وہ بھی تم زوال آمد عیسائیوں سے بہتر ہیں۔

ڈینیل کا یہ تجزیہ بھی کسی قدر صحیح ہے کہ مسلمانوں کے متعلق یورپین رائے عام کو کسی قدر درست کرنے میں دخل ان اکابرین کا بھی ہے جن سے مسیحی صلیبی جنگوں میں ٹکرائے اس میں سر فہرست نام سلطان صلاح الدین ایوبی رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔ جن کا نام سلطان بن کر یورپ کے گھر گھر پہونچ گیا صلاح الدین کی شجاعت، انصاف رحمدلی، فراخ دلی، رافت و لطف نے یورپ میں بھی ہیرو کے منصب پر فائز کر دیا۔ کسی یورپین بادشاہ کو وہ براعظم گیر قبول عام حاصل نہ ہوا جو سلطان صلاح الدین کے حصے میں آیا۔ حالانکہ انھوں نے عیسائیوں کو شکست فاش دی تھی۔

یہ بات عبرت ناک بھی ہے اور دلچسپ بھی کہ مسلمانوں کے اقبال کے دور میں یہودی اور عیسائی اس بات سے تقویت و توانائی حاصل کرتے تھے کہ کلام مجید میں ان کے مذاہب کا ذکر ہے۔ وہ ان کا دور مرعوبیت تھا۔ رابرٹ نے لکھا ہے کہ اگرچہ شریعت اسلامی بہت سے مقامات پر تہم خیز ہے۔ ہمارے مبصرین کو یعنی مسیحی مذہب کے منشور کی تقدیس اور فضیلت کی سب سے بڑی شہادت اور سب سے مضبوط بنیاد ملتی ہے۔

الاسلام والاستشراق

اس نشست میں آخری مقالہ جناب ڈاکٹر سید سلمان ندوی صدر شعبہ ثقافت اسلامیہ ڈربن یونیورسٹی، جنوبی افریقہ کا تھا۔ آپ نے اپنا مقالہ یورپ اور امریکہ کے قیام سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس روشنی میں لکھا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ کے ابتدائی حصہ میں مسلم طلباء

کی علمی طور پر غربت و افلاس کا ذکر کیا۔ آپ نے اپنے مقالہ کو امیر مینائی کے مشہور شعر سے آغاز کیا۔

امیر جمع ہیں احباب، حال دل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

ہمارے مسلم طلبہ AVERROES کو تو جانتے ہیں ابن رشد کو نہیں جانتے۔ AVICENNE کو تو جانتے ہیں۔ ابن سینا کو نہیں جانتے RAZES کو تو جانتے ہیں۔ رازی کو نہیں جانتے حد یہ ہے کہ جبرالٹر GIBRALTAR کو تو جانتے ہیں جبل الطارق کو نہیں جانتے۔ یہ تو وہ مثالیں ہیں جن سے کم از کم یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ جو تعلیم ہم نے حاصل کی ہے۔ وہ کہاں سے حاصل کی اور وہ کس رخ پر جا رہی ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اس ضمن میں شکاگو یونیورسٹی کی ایک مستشرقہ پروفیسرہ بنیہ البرٹ کا ذکر کیا جن سے ملاقات ڈاکٹر صاحب سے دوران تعلیم شکاگو یونیورسٹی میں ہوئی تھی اور وہ ندوی۔ سید سلیمان ندوی سے واقف تھیں، وہ بہت سی کتابوں کی مصنفہ ہیں اور ان کی مشہور کتابوں کا ڈاکٹر صاحب نے تذکرہ کیا جن میں AISHA THE BELOVED OF PROPHET ہے انھوں نے اپنی کتاب NORTH ARABIC SPRIT کی دوسری جلد میں قرآن و حدیث پر جو کام کیا ہے اس میں شخت کا مدلل جواب دیا ہے۔

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے
لیکن یہ صنم خانے سے ملے کعبہ سے نہیں

اس ضمن میں آپ نے مستشرقہ پروفیسرہ کا ذکر کیا کہ انھوں نے ان کو اسلام اور مسیحیت دو بہنیں کے عنوان پر مقالہ لکھنے کے لئے کہا تھا۔ میں نے اپنے مقالہ میں لکھا تھا کہ اگر اس سے مراد اس کا منبع ہے تو مشابہت یہیں ختم ہو جاتی ہے انھوں نے اس کے ریمارک میں لکھا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ اگر ایجابی پہلو اختیار کرنا ہو تو مجھے کچھ تنقید کرنی چاہئے تھی۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ میں مذکورہ بالا مثالوں کے ذریعہ یہ بتانا چاہا کہ مستشرقین نے جو کچھ لکھا ہے اور جو علمی کاوشیں کی ہیں ہم اس سے انکار نہیں کرتے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی ہمارے گھر پر ڈاکہ پڑ جائے کہ ڈاکہ ڈالتا ہے اور ہم اس کے احسان سے اپنا سر جھکاتے رہیں۔

مستشرقین کا ایک درجہ پادریوں اور مشنریوں اور دوسرے قسم کے لوگوں کا ہے وہ درجہ بدرجہ مختلف دور میں بدلتے رہے لیکن آج سے چند سال قبل جو مستشرقین سیول سروس میں تھے اور جن کا کام یہ تھا کہ حکومت کو بتائیں کہ کس قوم سے واسطہ ہے اور مشورہ دیں کہ اس کا رد کس طرح سے کر سکتے ہیں۔ مستشرقین کا یہ گروہ آج بھی موجود ہے۔

اس ضمن میں آپ نے سابق امریکی صدر کارٹر کا تذکرہ کیا کہ ایران کے واقعہ کے بعد کارٹر نے مستشرقین اور چند مسلم محققین جو امریکہ میں تھے ان کو دعوت دی تھی کہ ایران سے کس طرح نپٹا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے مقالہ میں تیسری چیز کا تذکرہ بڑے درد و الم کے ساتھ کیا اور کہا کہ آج اس کی فریاد بے کار ہے شکوہ بے کار ہے کس مستشرق نے کیا لکھا اور کیوں لکھا وہ اگر نہ لکھتے تو انھیں آج مستشرق نہ کہتے۔ ان کا انداز بدل گیا سب سے زیادہ ہمدرد مستشرق جسے عالم اسلام میں پیش کیا جاتا ہے اور مسلم ریاستوں کی سیرت کانفرنس میں انھیں دعوت دی جاتی ہے بلکہ اگر تلخی معاف ہو۔ پاکستان کی سیرت کانفرنس میں منٹگمری واٹ کو دعوت دی گئی اور ابھی چند ماہ ہوئے جب میں کراچی میں تھا جان اسپیسر یٹو کو بلایا گیا، ٹی، وی پر انٹرویو کیا گیا اور جن لوگوں نے ان سے انٹرویو کیا وہ ان سے زیادہ غریب الفکر اور غریب الفہم تھے وہ ان سے یہ پوچھ رہے تھے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے فلاں کتاب میں یہ لکھا ہے آپ کیا رائے دیتے ہیں گویا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شہادت ان سے چاہتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر منٹگمری واٹ جسے عالم اسلام۔ اسلام اور مسلمانوں کا ہمدرد تسلیم کرتا ہے۔ کے کتابوں سے اقتباس پڑھ کر پیش کیا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ۔ نعوذ باللہ۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطا و نسیان ہوئیں۔ آپ ان کو معاف کر دیں۔ مذکورہ مصنف کی کتاب کا دوسرا اقتباس پڑھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ رسول اکرم کی زندگی اس زمانہ کے مطابق بڑی صاف ستھری تھی لیکن ہاں آج کل زمانہ کے لحاظ سے ان کی ذات سے لگ سکتے ہیں۔ اور اس کتاب کا تیسرا اقتباس پیش کرنے کے بعد فرمایا کہ جب ہم یکتا ہیں پڑھتے ہیں اور جو ذہن بنا ہے وہ تمام کے تمام قبول کر لیتا ہے بغیر کسی نقد کے۔

ڈاکٹر صاحب نے یہاں پر مسلمان مورخین مسلمان سیرت نگاروں کا تذکرہ اسی ضمن میں کیا کہ جو بھی مسلمان استاد، پروفیسر یورپ و امریکہ میں ہے یا دنیا کے کسی گوشے میں ہے وہ حیرت و استعجاب سے دیکھتا ہے کہ ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں ہے اور اس وقت جو کتابیں ہیں گنی چنی ہیں اور دائرہ کار محدود ہے۔ فلپ کے ہٹی کے طرز پر مختصر تاریخ اسلام میرے پاس نہیں ہے۔ سوال یہ ہے کہ ہم کیا کر سکتے ہیں اس سلسلہ میں آپ نے ایک تجویز پیش کی۔

ہمارے پاس جو اردو میں سرمایہ ہے اور ان تمام چیزوں کا مسلسل جواب دیا جاتا ہے وہ سب کے سب اردو میں ہے۔ آج کی علمی زبان انگریزی بن چکی ہے آپ تسلیم کریں یا نہ کریں۔ اس وقت بھی اردو زبان میں جو ذخیرہ ہے اس سے صرف ہندوستان اور پاکستان کے مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن ہماری لڑائی ہندوستان اور پاکستان میں نہیں لڑی جا رہی ہے ہماری لڑائی یورپ اور امریکہ میں لڑی جا رہی ہے اس لئے میں یہ تجویز پیش کرنا چاہتا ہوں کہ دار المصنفین، ندوۃ المصنفین اور اس قسم کے تمام ادارے اپنی تمام کتابوں کو انگریزی میں منتقل کرنے کا ایک مستقل اصول بنائیں اور ایک جامع منصوبہ تیار کریں اور اس کے لئے خاطر خواہ آدمی کو مقرر کریں جن کی انگریزی بہتر سے بہتر ہو۔ دار المصنفین نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ بہت قیمتی ہیں اور اب وقت آگیا ہے وہ اپنا رول کچھ بدلے اور آج کے رول میں یہ شامل ہے کہ کتابوں کو انگریزی میں منتقل کیا جائے۔ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی کی انگریزی کتابوں سے ہمیں کچھ سہارا ملا ہمارے یہاں (ڈربن یونیورسٹی میں) اسلامک پرسنلٹی پر ایک مستقل کورس ہے اس موضوع پر ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں، تاریخ دعوت و عزیمت کا انگریزی ترجمہ ہمارے کام آتا ہے۔ اور ان کتابوں کے ترجمہ، طباعت اور نکاسی کا پورا انتظام کیا جائے۔ اس سلسلہ میں آپ نے دوسری تجویز یہ پیش کی کہ اسکول، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر نصابی کتابیں تیار کی جائیں اور یہ کتابیں یورپ و امریکہ میں اسی طور پر درآمد کی جائیں کہ اس سے ہم فائدہ اٹھا سکیں اس سلسلہ میں آپ نے انگریزی ترجموں کی مثالیں پیش کیں کہ کس طرح مستشرقین نے ہماری کتابوں کے ترجمہ میں اضافی نوٹ یا داوین کے درمیان عبارت کا اضافہ کر کے ہمارے لئے مشکلات پیدا کی ہیں۔

سید صباح الدین عبد الرحمن

ڈاکٹر سید سلمان ندوی کی تجویز کہ دار المصنفین نے جو کام اب تک کئے ہیں وہ انگریزی میں منتقل کئے جائیں اور اس کی ذمہ داری دار المصنفین لے، پر جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ناظم دار المصنفین نے یہ وضاحت پیش کی اور اس سلسلہ میں آپ نے ڈاکٹر اقبال اور علامہ سید سلیمان ندوی کے مابین جو گفتگو ہوئی اور جس میں سر راس مسعود بھی موجود تھے ذکر کیا سید صاحب نے علامہ اقبال سے افغانستان کے سفر کے دوران یہ فرمایا کہ ڈاکٹر صاحب جب تک آپ کی شاعری ہندوستان میں پڑھی جائے گی اسلام اسی ہندوستان میں باقی رہے گا، تو ڈاکٹر صاحب نے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ فرمایا کہ جب تک علامہ شبلی نعمانی اور سید سلیمان کی کتابیں ہندوستان میں باقی رہیں گی اسلام ہندوستان میں پورے حفاظت ایمانی کے ساتھ باقی رہے گا۔ اس موقع پر ڈاکٹر سر راس مسعود نے کہا کہ آپ لوگ اس معاملہ میں اختلاف کیوں کرتے ہیں اگر یہ کہا جائے کہ ڈاکٹر اقبال کی شاعری اور مولانا شبلی سید سلیمان اور دار المصنفین کا لٹریچر جب تک ہندوستان میں باقی ہے ہندوستان میں اسلام باقی رہے گا۔

سید صاحب نے فرمایا یہ صحیح ہے کہ ہم نے سیرت پر سات جلدیں لکھیں صحابہ کرام پر بارہ جلدیں لکھیں، تاریخ اسلام پر بارہ جلدیں لکھیں، تابعین تبع تابعین ائمہ اسلام پر، محدثین اسلام پر صوفیاء اسلام پر، حکماء اسلام پر ہم نے بہت کتابیں شائع کیں، لیکن اب ہم سے یہ تقاضا کیا جاتا ہے کہ ان کتابوں کا ترجمہ ہندی میں کر دو، ہندوستان کے مختلف زبانوں میں منتقل کر دو۔ ابھی ابھی جو ہم نے علمی نمائش لگائی تھی، اس کو دیکھنے کے لئے جامعہ اسلامیہ مدینہ یونیورسٹی کے اساتذہ گئے تو میں نے ذکر کیا کہ سیرۃ کی کتابوں کا ترجمہ ترکی میں بھی ہوا، فارسی میں بھی ہوا، تامل میں بھی ہوا، گجراتی میں بھی ہوا انھوں نے فرمایا اور جب سے میری گردن ندامت سے جھک گئی کہ کیا عربی ایسی مظلوم زبان تھی جس میں اب تک سیرت کا ترجمہ نہیں ہو سکا ہے، سیرت کا عربی

تو ترجمہ ضرور ہوا اور اسماعیل ندوی مرحوم نے اس کو عربی میں منتقل کیا لیکن اب تک وہ شائع نہیں ہو سکا۔

اخیر میں سید صاحب نے فرمایا کہ دار المصنفین کو جو لٹریچر ایک خاص مقصد کے تحت پیش کرنا تھا وہ پیش کر چکا۔ اب ہمیں اپنے دانشوروں اور فضلاء سے توقع یہ ہے کہ جو ہماری کتابیں ضرورت زمانہ کے لحاظ سے ہوں اور پسند ہو، کیا وہ خود اس کام کے لئے آگے نہیں بڑھ سکتے ہیں۔ ہم تو اپنے بھائی سید سلمان ندوی ہی سے عرض کریں گے کہ آپ کو مواقع حاصل ہیں ہم تو محدود ذرائع کی وجہ سے اپنے کام کا پھیلاؤ نہیں کر سکتے ہیں، اپنے ذمہ یہ کام لے لیں کہ انگریزی یا کسی دوسری زبان میں منتقل کریں اور ہم پر سارا بار کیوں ڈالیں، یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ ہم محدود وسائل اور ذرائع میں سارا کام اپنے ہاتھ میں لے لیں تو اصل کام جاتا رہے گا سیرت پر جیسی کتاب۔ معذرت کے ساتھ۔ دار المصنفین میں لکھی گئی ہے شاید دوسری زبان میں اس کی نظیر نہ ملے، اور جو لوگ دوسری زبان سے واقفیت رکھتے ہیں انھیں ہم اجازت دیتے ہیں کہ ان کتابوں کو دوسری زبان میں منتقل کریں، ہم نہ تو ان سے کوئی رائلٹی لیں گے اور نہ کسی قسم کا مطالبہ کریں گے بلکہ ہمارا مشن تو یہ ہے کہ اسلام کا نام دنیا کے ہر گوشہ میں پہونچے اگر وہ یہ کام اپنے ذمہ لے لیں تو ہم ان کے بڑے ممنون و مشکور ہوں گے۔

شیخ عبد الصبور مرزوق

سید صباح الدین کی اس وضاحتی گفتگو کے بعد شیخ عبد الصبور مرزوق ڈائریکٹر جنرل رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ نے اسی موضوع پر اپنی توضیحات پیش کیں۔

ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق نے رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کے تعاون کا اظہار کیا اور جو اس سلسلہ میں تجاویز آئیں اس کی تائید کی، اور انھوں نے اپنی گفتگو میں بتایا کہ سیرۃ النبویہ جو مولانا سید سلیمان ندوی کی شہرۂ آفاق کتاب ہے اس کا انگریزی ترجمہ رابطہ سے جلد از جلد شائع ہونے والا ہے انھوں نے اپنی کتاب السیرۃ النبویہ فی القرآن کا تذکرہ کیا جس میں انھوں نے صرف قرآن کریم پر بحیثیت مرجع کے اعتماد کیا ہے، اور کسی کتاب کی طرف رجوع نہیں کیا ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو قرآن کریم کی روشنی میں ثابت کیا ہے اسی کے ساتھ انھوں نے سلسلہ دعوۃ الحق کا تذکرہ کیا جس کے تحت رابطہ عالم اسلامی کتابیں شائع کرتی ہے، رابطہ کا یہ شعبہ منجملہ اور کتابوں کے الرسول صلی اللہ علیہ وسلم فی کتابات المستشرقین کا اہمیت سے تذکرہ کیا۔ (یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مستشرقین کی نگارشات کی روشنی میں)۔

نگران کے ساتھ جس بات پر ڈاکٹر عبد الصبور مرزوق نے زور دیا وہ یہ ہے کہ یہ سب کوششیں انفرادی ہیں اور ضرورت اجتماعی کوشش کی ہے اور ضرورت اس بات کی ہے کہ تاریخ اسلامی کو پھر نئے سرے سے لکھا جائے اور سیرت پر جو کتابیں موجود ہیں انھیں نئے اسلوب اور نئے طرز پر ترتیب دیا جائے، انھوں نے اس سلسلے میں ایجابی پہلو پر زور دیا اور فرمایا کہ جتنی بھی اسلامی یونیورسٹیاں ہیں، وہ اسلامی علوم میں تخصص SPECIALIZATION کے لئے یورپ نہ بھیجا کریں۔ کہ وہ مستشرقین کے پاس جا کر اسلامی علوم میں اختصاص پیدا کریں بلکہ خود ہمارے یہاں یا عرب ممالک یا مشرقی ممالک میں جو یونیورسٹیاں ہیں وہ خود کفیل ہیں اور اسلامی علوم و فنون میں طالب علم کو یہ ضرورت محسوس نہ ہو کہ وہ یورپ جائے اور اختصاص حاصل کرے۔

تیسر نا بات جو انھوں نے بہت اہم کہی کہ مستشرقین نے جن کتابوں کو بطور مراجع پیش کئے ہیں ان کا بھی جائزہ لیا جائے کھنگالا جائے کیونکہ مستشرقین مراجع میں بھی تحریف سے کام لیتے ہیں لہذا بڑی حد تک ان کے اشکالات اعتراضات اور شبہات کا رد خود ان مراجع ہی کے ذریعہ مل جائے گا۔

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی

حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی نے مذکورہ بالا تجاویز کے سلسلہ میں تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا سیرۃ النبی کا عربی ترجمہ تیار ہے اور میری گفتگو ڈاکٹر یوسف القرضاوی اور ان کے دوستوں سے ہوئی ہے کہ حکومت قطر عرصہ سے، جو سیرۃ النبویہ پر بین الاقوامی کانفرنس ہوئی تھی اس میں یہ طے کیا گیا تھا کہ ایک مستقل سکریٹریٹ اس سلسلہ میں قائم کیا جائے، وہ متمنی ہے کہ مولانا شبلی نعمانی کی اور سید سلیمان ندوی کی سیرت کے اجزاء کا عربی ترجمہ شائع کرے، میں نے اس سلسلہ میں نشاندہی کی تھی۔ اس کے دو حصوں کا ترجمہ ڈاکٹر اسماعیل ندوی نے کیا تھا پہلا حصہ غالباً شیخ عبد اللہ الانصاری کے پاس پہونچ چکا ہے یا عبد الحلیم محمد احمد جو بڑے ناشر ہیں ان کے پاس۔ اور میری ہی نشاندہی پر انھوں نے وہ نسخہ حاصل کر لیا تھا اور سید صاحب کی سیرت عائشہ میرے فاضل دوست مولانا محمد ناظم ندوی نے عرصہ ہوا کیا تھا وہ میرے پاس موجود ہے اور میرا مشورہ تھا کہ اسے کسی عرب ناشر کو دیدیا جائے وہ اسے شائع کرے اور وہ وہاں سے بہ آسانی اہل علم کے پاس پہونچ جائے لیکن ہمارے فاضل دوست سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب کی خواہش یہ ہے کہ وہ دار المصنفین کی مطبوعات ہی ہو اور ندوۃ العلما کے پریس میں چھپے (اور اب اس کی طباعت ندوۃ العلماء کے پریس شروع ہو گئی ہے)

حکیم محمد سعید

اخیر میں صدر جلسہ جناب حکیم محمد سعید صاحب نے اپنے صدارتی کلمات فرمائے میرا خوشگوار فرض ہے کہ آج کے مجلس کے مقررین کا دل سے شکریہ ادا کردں کہ انھوں نے نہایت اہم نکات کی طرف اور نہایت اہم امور کی طرف اس موتمر کو متوجہ کیا ہے میں نے اس موتمر میں التزام سے شرکت کی ہے اور تمام مقالات بڑے غور سے سنے ہیں اور مستشرقین اور مستغربین کے مسئلے پر احتیاط سے غور کیا ہے۔ اس موتمر کا رجحان بالعموم یہی رہا ہے کہ جو مستشرقین نے اچھائیاں کی ہیں ان کا اعتراف کیا جائے اور جو غلطیاں کی ہیں قصداً یا شرارۃً ان کا ازالہ کرنے کی کوشش کی جائے اور ہمارا مشورہ ہے کہ اس میدان میں ہمیں قدم زنی بڑی احتیاط سے کرنی چاہئے اور نہ یہ مناسب ہے کہ کسی قسم کی لڑائی مول لیں اور نہ یہ مناسب ہے کہ خاموشی کی راہ اختیار کریں۔ اس میدان میں میری اپنی رائے یہ ہے کہ اختتام سے قبل کسی حتمی نتیجہ پر پہونچنا چاہئے۔ مجھے توقع ہے کہ بلکہ مجھے یقین ہے کہ اس موتمر کے منتظمین ان نقاط اور رموز کو نوٹ کر رہے ہونگے جن کو بالآخر تجاویز کی شکل دی جاسکے، کیونکہ اگر ہم نے تجاویز مرتب نہ کی اور لائحہ عمل مرتب نہ کیا اور خاکہ تیار نہ کیا تو یہ احتمال ہے کہ اس اہم موتمر سے وہ نتائج مرتب نہ ہو سکیں گے، جس کے لئے ہم نے عزم و ارادہ کیا ہے۔ اسی سلسلے میں میری ایک تجویز یہ ہے کہ اس موتمر کو مستقل ایک شکل دینی چاہئے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ یہ کانفرنس ہر سال اعظم گڈھ ہی میں ہو، اور دار المصنفین پر اس کا ہمیشہ بار پڑے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ دوسرے ممالک بھی اس معاملہ میں پیش قدمی کریں۔ اس کانفرنس میں یہ طے کر لیں کہ یہ کانفرنس اگلے سال کس ملک میں ہو گی، اور جب تک ہم اس کام کو مستقل اور مرکزی حیثیت نہ دیں گے اس کام کو خوش اسلوبی سے انجام نہ دے سکیں گے۔

اگلی موتمر کے سلسلہ میں مندوبین نے اظہار خیال کیا اور حکیم محمد سعید صاحب نے ایک سال کے وقفہ کی تجویز پیش کی اور ڈاکٹر یوسف القرضاوی قطر یونیورسٹی قطر نے دو سال کی تجویز پیش کی اور میزبانی کے فرائض انجام دینے کے لئے بھی پیش کش کی مگر صدر جلسہ نے یہ بات پر زور انداز میں کہی کہ یہ کانفرنس اگلے سال پاکستان میں ہو گی۔ مگر انھوں نے یہ خواہش بھی ظاہر کی کہ اگر اگلی موتمر قطر میں منعقد ہو تو بہتر ہے۔

اختلاف رائے ہونے کی وجہ سے اس مسئلہ کو تجاویز کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا جس کی سفارشات اس کانفرنس کے تجاویز میں آئی۔

صدر جلسہ نے ایک تجویز یہ بھی پیش کی کہ اس کی اساسی کمیٹی ہونے چاہئے جو اس کے انعقاد کے سلسلہ میں فیصلہ کرتی رہے اور اس کا مرکز دار المصنفین ہونا چاہیئے اور اس پر سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب نے یہ اضافہ پیش کیا کہ اس کے ممبر کے ناموں کا بھی اعلان کر دینا چاہیئے اور یہ تمام امور تجاویز کمیٹی کے سپرد کر دیا گیا۔ اور جلسہ دوسرے دن ۲۲ر فروری کی صبح تک کے لئے ملتوی ہو گیا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

خدمات و ضروریات

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ آلِہٖ وَ اَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ؕ

دار العلوم ندوۃ العلماء محتاج تعارف نہیں ہے، اس کے قیام کو ۹۰ برس ہو گئے ہیں۔ خدا کا شکر ہے کہ اس اثناء میں اس نے گرانقدر علمی اور دینی خدمات انجام دی ہیں۔ تقریباً بائیس سال سے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی، ظلہ کی اس کی توجہ اور سرپرستی حاصل ہے، جن کے دور نظامت میں وہ ایک عظیم اسلامی مرکز بن گیا ہے نیز اس نے ایک بین الاقوامی دینی درسگاہ کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت اور دینی زندگی کے فروغ کے لئے اس کے طلبہ، اساتذہ اور کارکنان حسب توفیق کوشاں ہیں۔

اس وقت دار العلوم ندوۃ العلماء میں ہندوستان کے مختلف علاقوں کے علاوہ ملیشیا، انڈونیشیا، تھائی لینڈ، جنوبی افریقہ، ٹرینڈاڈ، یوگنڈا اور دوسرے ممالک کے طلبہ بھی زیر تعلیم ہیں۔ مختلف ملکوں سے برابر داخلے کی درخواستیں آتی رہتی ہیں، اللہ کے فضل سے عرب ممالک میں ندوۃ العلماء کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اور وہاں کے طلبہ میں اس کی تعلیم و تربیت سے استفادہ کی خواہش روز افزوں ہے۔ ان اسباب کی بنا پر داخلوں کی تعداد میں ہر سال غیر معمولی اضافہ ہو رہا ہے جس کی وجہ سے نئی اقامت گاہوں کی ضرورت پیش آ رہی ہے۔ اس کے علاوہ دار العلوم کے مختلف شعبوں مثلاً دفاتر، لائبریری وغیرہ کے لئے علیحدہ مستقل عمارتیں درکار ہیں۔ طلبہ کی نئی اقامت گاہ "رواق اطہر" کا سنگ بنیاد ۲۱ر مئی ۱۹۷۶ء کو رکھا گیا تھا۔ بحمد اللہ جس کا تکملہ ہو چکا ہے اور زیر استعمال ہے۔

"معہد دار العلوم" میں باوجود وسعت کے گنجائش ختم ہو چکی ہے اور امسال کثیر تعداد میں طلبہ کو واپس کیا گیا ہے، اسی طرح دار العلوم میں بھی بہت سے داخلے محض انہیں مجبوریوں کی بنا پر نہیں کئے جا سکے۔ یہ صورت حال ذمہ داران دار العلوم کے لئے باعث فکر ہے، اور محض جگہ کی تنگی کی وجہ سے شائقین علم دین کو واپس کرنا نیز مقیم طلبہ کی بڑھتی ہوئی دشواریاں اور ضرورتیں ان کی فکر و بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث ہیں، علاوہ ازیں عمارتوں اور ضروری تعلیمی سامان کی کمی کی وجہ سے بہت سے مفید علمی و دینی منصوبے پوری توجہ و یکسوئی کے محتاج رہتے ہیں۔

ہماری خواہش اور درخواست ہے کہ آپ میں سے جن حضرات کو اللہ تعالیٰ توفیق دیں اور سہولت ہو وہ اپنی تشریف آوری سے حسب موقع ہمیں سرفراز فرمائیں، خود آکر ان نونہالان چمن کو دیکھیں، ان کی ضروریات کو سمجھیں، فی الوقت جو کام شروع کئے جا چکے ہیں یا مستقبل قریب میں فوری توجہ کے مستحق ہیں ان کی تفصیل درج ہے:۔

ایک نئے ہوسٹل کی ضرورت

رواق اطہر کی تکمیل کے باوجود بڑھتی ہوئی تعداد کی وجہ سے طلباء کے قیام کے نظم میں دشواری پیدا ہو رہی ہے۔ خاص طور سے بیرونی طلبہ کے قیام کا کوئی مستقل نظم نہیں ہے۔ سرپرستوں کے قیام کی سہولت بھی موجودہ اقامت گاہوں کی تنگی کی وجہ سے ممکن نہیں ہو سکی ہے، اس کے پیش نظر چوتھی اقامت گاہ کی تعمیر کی ضرورت ہے۔

اسٹاف کوارٹرس

حضرات اساتذہ کرام کے لئے رہائشی مکانات کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے، چنانچہ چار دو منزلہ مکانات کی تعمیر مکمل ہو گئی جو زیر استعمال ہیں، لیکن مزید مکانات کی ضرورت ہے۔

کتب خانہ

دار العلوم ندوۃ العلماء کا کتب خانہ ہندوستان کے گنے چنے کتب خانوں میں سے ایک معروف و مشہور کتب خانہ سمجھا جاتا ہے، جہاں علوم سے دلچسپی رکھنے والے بیرونی ممالک کے بھی لوگ استفادہ کرتے ہیں۔ یہ کتب خانہ دار العلوم کے وسیع و عریض ہال میں عرصہ سے قائم ہے، اس کے لئے علیحدہ عمارت کی ضرورت کا عرصہ سے احساس ہوتا رہا، بحمد اللہ کتبخانہ کی تین منزلیں تعمیر ہو چکی ہیں اور باقی کام چل رہا ہے۔

دار تحفیظ القرآن الکریم

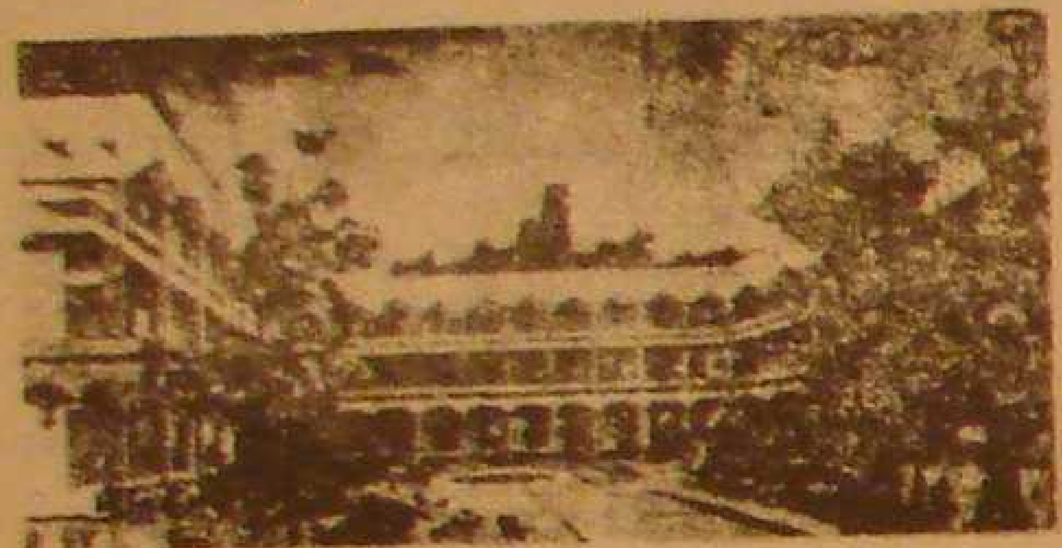

دار العلوم ندوۃ العلماء نے جب دار العلوم میں شعبۂ حفظ کا افتتاح کیا تھا، اسی وقت یہ ارادہ بھی کر لیا تھا کہ اس شعبہ کے لئے علیحدہ عمارت ہو گی جس میں تعلیم کے ساتھ رہائش گاہ کا بھی نظم ہو گا۔ اس عمارت کی تعمیر کا آغاز ہو چکا ہے۔ خدا کرے جلد اس کی تکمیل کی صورت ہو۔

رواق نعمانی مشرقی بازو

شبلی ہوسٹل میں طلبہ کی کثرت کی وجہ سے سال گزشتہ رواق نعمانی (شبلی ہوسٹل) کے مشرقی بازو کی تعمیر کا آغاز کیا گیا تھا۔ سامان کی گرانی اور نایابی کی وجہ سے حسب گنجائش کام آہستہ آہستہ ہو رہا ہے۔

توسیع مسجد دار العلوم

دار العلوم ندوۃ العلماء کی خوبصورت و عالیشان مسجد ابھی چند سال قبل توسیع کے مراحل سے گزر چکی ہے لیکن اب طلبہ کی تعداد و نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے عرصہ سے تنگی شروع ہو گئی تھی اس لئے محراب کی سمت مزید توسیع کر دی گئی ہے، اضافہ سہ منزلہ ہے اور مسجد کے مسقف حصے کے بقدر توسیع ہو کر نماز کے لئے دوگنی گنجائش نکل آئی ہے۔ انشاء اللہ اگلے تعلیمی سال کے وقت قابل استعمال ہو جائے گی۔

ڈسپنسری

طلبہ و اساتذہ کی سہولت اور اسپتالوں کی بھیڑ بھاڑ اور بے توجہی کو دیکھتے ہوئے ایک ڈسپنسری قائم کر دی گئی ہے جس میں طلبہ کو طبی سہولیات فراہم ہیں۔

پریس اور دفاتر کی عمارت

پریس اور مختلف دفاتر کے لئے علیحدہ ایک عمارت بھی عرصہ سے زیر تجویز رہی ہے تاکہ دار العلوم کی عمارت صرف تعلیمی اغراض ہی میں استعمال ہو۔ سارے درجات اسی میں رہیں، جگہ کی تنگی کی وجہ سے جو انتشار کبھی کبھی ہو جاتا ہے وہ ختم ہو جائے، چنانچہ اس عمارت کا بھی نقشہ منظور ہو گیا ہے اور اس عمارت کی تعمیر بھی ہونا ہے۔